Spot CMYK#Waheed

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

بشرفِ دعا

حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ

وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت

مفتی محمد یونس، مفتی محمد امجد، حکیم محمد فیضان، غفار الحق

فی شمارہ............25 روپے

سالانہ............300 روپے

خط وکتابت کا پتہ

ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959

راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

پبلشرز

محمد رضوان

سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 300 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ ''التبلیغ'' حاصل کیجئے

قانونی مشیر

الحاج غلام علی فاروق

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17

عقب پٹرول پمپ وچھڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان

فون: 051-5507530-5507270 فیکس: 051-5780728

www.idaraghufran.org

Email: idaraghufran@yahoo.com

ترتیب وتحریر

صفحہ

اداریہ ....سیلاب کیا سبق دے کر گیا؟..............مفتی محمد رضوان　۳

درسِ قرآن(سورہ بقرہ قسط۷۲)...اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کی گمراہی...// //　۷

درسِ حدیث ....نماز میں خشوع وخضوع کی فضیلت واہمیت(قسط۹).....// //　۱۰

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟(اس دور کے چارہ گر کہاں ہیں؟قسط۱۰).....مفتی محمد امجد حسین　۱۹

فجر اور شفق کے درجہ کی تحقیق(قسط۱۰)..............مفتی محمد رضوان　۲۴

لوگوں سے سوال کرنا..............مفتی منظور احمد　۳۰

ماہِ رمضان: پانچویں نصف صدی کے اجمالی حالات وواقعات..............مولانا طارق محمود　۳۳

جانوروں کے حقوق وآداب(قسط۹)..............مفتی محمد رضوان　۳۶

علم کے مینار..........سرگذشت عہدِ گُل(قسط۳۶)..........مفتی محمد امجد حسین　۴۲

تذکرۂ اولیاء:..........تذکرہ مولانا رومی کا(قسط۲)..........// //　۴۵

پیارے بچو!..........لڑاکا بھائی اور عقلمند باپ..........مفتی محمد رضوان　۴۸

بزمِ خواتین..........شوال کے چھ روزوں کے فضائل ومسائل..........مفتی ابوشعیب　۵۰

آپ کے دینی مسائل کا حل.....نمازی کے سامنے سے گزرنے کا مدلّل ومفصّل حکم　۵۷

کیا آپ جانتے ہیں؟..وٹہ سٹہ اور طلاق کے نقصانات(بسلسلہ: سوالات وجوابات)..ترتیب: مولانا محمد ناصر　۸۵

عبرت کدہ..........حضرت یوسف علیہ السلام(قسط۳)..........ابوجویریہ　۹۰

طب وصحت..........آنکھیں دُکھنا..........حکیم محمد فیضان　۹۲

اخبارِ ادارہ..........ادارہ کے شب وروز..........مولانا محمد امجد حسین　۹۴

اخبارِ عالم..........قومی وبین الاقوامی چیدہ چیدہ خبریں..........حافظ غلام بلال　۹۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

مفتی محمد رضوان

سیلاب کیا سبق دے کر گیا؟

حالیہ سیلاب کے نتیجہ میں وطن میں پیش آنے والی تباہی اوراس کی داستانیں کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہیں، اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی مزید المناک داستانیں سننے میں آتی رہیں گی۔

ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ ہر واقعہ وقصہ سے عبرت پکڑے اور بصیرت حاصل کرے اور کوئی نہ کوئی شعوری سبق سیکھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ واقعات وقصص ذکر فرما کر عبرت پکڑنے اور بصیرت حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے تو اس کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے ہی، دنیا کی متمدن قومیں بھی اپنی دنیوی ترقی کی راہ میں واقعات وقصص سے کوئی دنیاوی سبق سیکھنے کو بہت بڑا ذریعہ خیال کرتی ہیں۔

اس لئے ہم مختصر انداز میں موجودہ سیلاب سے چند حاصل شدہ اسباق ذکر کرتے ہیں۔

(۱)......زلزلہ، سیلاب اوراس طرح کی دیگر آفات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لئے تنبیہ اور ابتلاء وآزمائش کے لئے ہوتی ہیں، ان کا مقصود مومن بندوں کو توبہ واستغفار کی طرف متوجہ کرنا، اور نیک لوگوں کے درجات بلند کرنا ہوتا ہے، نیک لوگ صبر وتحمل کے ذریعہ اپنے درجات کو بلند کرتے ہیں، اور بہت سے گناہ گار بندے توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنے اعمال واحوال کی اصلاح کرتے ہیں، لیکن جو لوگ نہ تو صبر وہمت سے کام لیتے اور نہ ہی توبہ واستغفار کے ذریعہ سے اپنی اصلاح کرتے اور بدستور گناہوں کی دلدل میں اپنے آپ کو پھنسائے رکھتے ہیں، بلکہ نعوذ باللہ تعالیٰ بداعمالیوں میں اور آگے بڑھ جاتے اور جری ہوجاتے ہیں، ان کے حق میں اس قسم کی تباہی دنیا وآخرت کے اعتبار سے دوہرا عذاب بن جاتی ہے۔

لہٰذا سیلاب سے متاثر ہونے والے جو حضرات صبر وہمت سے کام لیں، اوراس کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر اس میں اپنے لئے مصلحت وحکمت سمجھیں، اور دل وزبان سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر شکوہ وشکایت نہ کریں، اوراسی کے ساتھ اپنی گزشتہ زندگی کے گناہوں پر توبہ واستغفار کرکے آئندہ کے لئے اپنی حالت درست کرلیں، وہ

کامیاب بندوں میں داخل وشامل ہوگئے۔

لیکن اس کے برعکس جنھوں نے بے صبری کا مظاہر کیا، اوراللہ تعالیٰ کے فیصلہ پرشکوہ وشکایت کی، اور گناہوں سے توبہ واستغفار نہیں کیا، بلکہ نعوذ باللہ تعالیٰ رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ کی بھی قدر نہیں کی، نہ روزوں کا اہتمام کیا، اور نہ ہی نماز کا (جیسا کہ اکثر وبیشتر متاثرین کے حالات سامنے آتے رہتے ہیں) تو پھر یہ بہت بڑی ناکامی کی دلیل اور دنیا وآخرت کے خسارے والی بات ہے۔

چند سال پہلے ملک میں آنے والے زلزلہ کے متاثرین کے دل بہلانے کے بہانے سے فلمی اداکاروں ڈرامہ بازوں، اور موسیقی کاروں کی طرف سے کیمپوں میں پہنچ کر جس طرح کے غیر شرعی پروگراموں کی نمائش کی گئی تھی، اور متاثرین کے کیمپوں میں ذرائع ابلاغ پر جس قسم کے پروگراموں کو نشر کیا جارہا تھا، وہ سب اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کو بڑھانے والے ملعون ومردود کام تھے۔

اگر سیلاب کے متاثرین کے کیمپوں میں بھی اس قسم کے واقعات دہرائے گئے، تو یہ بہت خطرناک اور سنگین صورتِ حال ہوگی۔

اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ سیلاب سے متاثر ہونے والوں کو صبر وہمت کی تعلیم وتلقین کی جائے، ان کو توبہ واستغفار کی طرف متوجہ کیا جائے، اور بداعمالیوں اور گناہوں کے مواقع سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جائے۔

افسوس ہے کہ اس قسم کے متاثرین کے کیمپوں میں صلاۃ التوبۃ، ذکر واذکار وغیرہ جیسے اعمال کے بجائے مختلف ذرائع ابلاغ کے فحش اور غیر شرعی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔

سیلاب کی تباہ کاریوں کے بعد جو کام متاثرینِ سیلاب سمیت پوری قوم کے ذمہ ہے، وہ توبہ واستغفار اور دعا کا اہتمام ہے، اپنے گناہوں سے ہر ایک توبہ کرے، اور اپنی طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے استغفار کرے، اور اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت وآزمائش سے نکلنے اور اس پر صبر واستقامت حاصل ہونے کی دعا کرے۔

یہ عمل ایسا ہے کہ جس کے لئے نہ مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ سفر کرنے کی ضرورت ہے، ہر امیر وغریب مسلمان اس عمل کو اپنے اپنے مقام پر رہتے ہوئے انجام دے سکتا ہے، دوسرا کام یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ متاثرینِ سیلاب اپنی عملی حالت کو درست کریں، نماز، ذکر وتلاوت وغیرہ سے اپنے

کیمپوں کو منور کریں، دوسرے مسلمان ان کے پاس چل کر جائیں، اوران کو صبر وہمت کی تلقین کریں، اوران کو نماز روزہ اور دین کے دوسرے احکام کی ترغیب وتعلیم دیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب سے بچا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کا مستحق ہوا جائے، تیسرا اور آخری کام یہ ہے کہ متاثرین کی مالی مدد کریں، صدقہ خیرات سے دل کھول کر ان کا تعاون کیا جائے۔

مگر اس میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے، ایک تو یہ کہ غیر ذمہ دار اور غیر دیانت دار لوگوں کو اپنا صدقہ وخیرات کا مال متاثرین تک پہنچانے کے لئے حوالے کرکے بے فکر نہ ہو جائیں، بلکہ اولاً تو خود سے صحیح متاثرین تک پہنچانے کی کوشش کریں، یا پھر خوب اطمینان حاصل کرکے ذمہ دار اور دیانت دار لوگوں کو واسطہ بنائیں، کیونکہ زلزلہ متاثرین کے نام پر مال بٹورنے والے نااہل اور غیر ذمہ دار لوگوں کی طرح متاثرینِ سیلاب کے نام پر بھی بے شمار خائن اور دوکاندار لوگ پوری قوم سے مال بٹور کر جمع کرنے اور اپنے گھر اور جیب بھرنے میں مشغول ہیں، اور ہر ایک ہی قوم کے نرم شدہ دلوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہے، دوسرے اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ بھیڑ چال کا مصداق بن کر اپنے قرب وجوار کے غریب غرباء کو نظر انداز کرکے اور ان کی حق تلفی کرکے ہر قسم کی زکاۃ وصدقات متاثرینِ سیلاب کے نامزد کرنے سے اجتناب کریں، اور اپنے علاقہ کے غریب وغرباء کو بھی پورا پورا حق دیں۔

(۲)......سیلاب کی تاریخی تباہ کاریوں کے بعد جن کاموں کی ترجیحی بنیادوں پر ضرورت ہے، ان میں سے دوسرا اہم کام فوری طور پر ڈیموں اور خاص کر کالا باغ ڈیم اور بھاشا ڈیم کی تعمیر ہے، اگر موجودہ سیلاب کی تباہ کاریوں کو ملاحظہ کرنے اور بھگتنے کے بعد بھی حکمرانوں اور اس سلسلہ میں رکاوٹ بننے والوں کو ہوش نہ آیا، اور وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہے، یا وقتی اور جزوی یا ذاتی مفادات کو اس اہم اجتماعی ضرورت پر ترجیح دیتے رہے، یا غیروں کی سازشوں کا شکار ہوتے رہے، تو یہ بہت بڑی بدبختی اور بے حسی کی دلیل ہوگی۔

بعض ذرائع کے مطابق مذکورہ بالا صرف دو ڈیم ہونے کی صورت میں موجودہ سیلاب کے پانی کی مقدار سمانے کی گنجائش موجود تھی۔

(۳)...... تباہ کن سیلاب کے بعد تیسرا کام یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ ملک کا ہر باشندہ نالوں اور

دریاؤں کی صفائی کی رعایت کرے، اور ممکنہ حد تک پانی کی روانی میں خلل ڈالنے والے کچرے اور گندگی کو نالوں اور دریاؤں میں ڈالنے کے بجائے ان کو دوسرے مناسب مواقع پر پہنچانے اور ڈالنے کا اہتمام کرے۔

عوام کے علاوہ حکومتی کارندوں پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور اسی کے ساتھ حکومت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً نالوں اور دریاؤں کی صفائی کی طرف توجہ کرے، اور اس سلسلہ میں غفلت یا خیانت کا ارتکاب کرنے والوں کا مؤاخذہ کرے۔

شنید ہے کہ ہر سال نالوں اور دریاؤں کی صفائی کے لئے مختص ہونے والے فنڈ کو نااہل اور خائن حکمران و اہل کار ہڑپ کر جاتے ہیں، اور اس کو صحیح مصرف میں نہیں لگاتے، جو کہ سیلاب کا اہم سبب ہے۔

(۴)...... حالیہ سیلاب سے عبرت حاصل کر کے اور اس کے نقصانات سے دوچار ہونے کے بعد چوتھا کام یہ کرنے کی ضرورت ہے کہ دریاؤں کی توسیع اور تقسیم کی منصوبہ بندی کی جائے، جن مقامات پر غیر معمولی پانی گزرنے کی گنجائش نہیں، ان کی توسیع کی جائے، اور مناسب مواقع پر پانی کی روانی کے مقامات کی تقسیم وتنویع کی جائے، تاکہ مختلف اطراف سے اور مقامات پر پانی کی تقسیم ہونے کے نتیجہ میں پانی کا سارا دباؤ ایک ہی مقام پر نہ رہے۔

اگر ان مندرجہ بالا چار اصولوں پر ذمہ داری اور دیانت داری کے ساتھ عمل کر لیا جائے، تو ہمیں امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس قسم کے تباہ کن سیلاب سے کافی حد تک حفاظت رہے گی۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

Idara Ghufran

درسِ قرآن (سورہ بقرہ قسط۷۲ آیت۱۱۷) مفتی محمد رضوان

اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنے والوں کی گمراہی

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (۱۱۷)

وہ (اللہ) آسمانوں اور زمین کا موجد (وخالق) ہے، اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو بس اتنا کہتا ہے کہ ’’ہوجا‘‘ چنانچہ وہ ہوجاتی ہے (۱۱۷)

تفسیر وتشریح

بعض یہودی حضرت عُزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے، اور مکہ کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، مذکورہ آیت میں اس کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو بغیر کسی مادے کے صرف اور صرف اپنی قدرت سے آسمان اور زمین بلکہ تمام کائنات کو عدم سے وجود عطا فرمایا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر والد کے پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی ایجاد میں کسی مادے، مدت اور کسی آلے وذریعے اور سبب کے محتاج نہیں ہیں۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اُس کو ’’کُن‘‘ یعنی ’’ہوجا‘‘ کا حکم دیتے ہیں، پس وہ چیز فوراً موجود ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو پیدا کرنے کے ارادہ اور اُس چیز کے پیدا ہونے میں ذرہ برابر فاصلہ نہیں ہوتا۔

حضرت عُزیر علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتے سب اسی طریقے سے پیدا ہوئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس طریقے سے آناً فاناً پیدا ہونے کا نام کسی کے نزدیک ولادت نہیں (کیونکہ ولادت میں صحبت واستقرارِ حمل جیسے اسباب ہوا کرتے ہیں) تو ان کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہنا بھی درست نہیں۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ طاقت اور قدرت نہ تھی کہ کسی چیز کو ’’کُن‘‘ کے لفظ سے پیدا کرسکیں، بلکہ عیسائیوں کے بقول تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں اور اپنے دشمنوں سے بھی اپنی جان نہ بچاسکے، تو پھر وہ خدا کیسے ہوسکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہودی، عیسائی اور مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرتے تھے، تو پچھلی آیات میں تو

اللہ تعالیٰ نے ’’سُبْحَانَهٗ‘‘ فرما کر ہر قسم کے عیوب اور بالخصوص اولاد سے اپنا پاک ہونا بیان فرمایا، اور اس کے بعد چند وجوہات بیان کر کے یہود، عیسائی اور مشرکین کا رَد فرمایا۔

پہلی وجہ یہ بیان فرمائی کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، جس میں حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ اور فرشتے بھی شامل ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے، اور اولاد ملک نہیں ہوتی، بلکہ ملک تو غلام و باندی ہوتے ہیں۔

دوسری یہ کہ کائنات کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ارادے اور حکم کے تابع ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ غیر فانی ہیں، اور اولاد اپنے والدین کی جنس سے ہوا کرتی ہے، اس لیے کائنات میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی اولاد نہیں ہوسکتی۔

تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی مادے کے آسمان وزمین پیدا کرنے والے ہیں، جبکہ ولادت کے لیے مادّہ اور مدت کی ضرورت ہوتی ہے۔

چوتھی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ایجاد کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو کُن فرمادیتے ہیں، وہ اسی وقت موجود ہوجاتی ہے، اور اس کا نام ولادت نہیں۔

پانچویں یہ کہ بیٹا ہمیشہ باپ کا جزء اور حصہ ہوتا ہے، اور اجزاء کسی مرکب چیز کے ہوتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ ترکیب سے پاک ہیں۔

مذکورہ دلائل ایسے ہیں جن کا جواب عیسائیوں کے پاس نہیں۔

عیسائیوں کے سامنے جب مذکورہ دلائل بیان کیے جاتے، تو عیسائی عوام تو نہیں، بلکہ عیسائیوں کے بعض علماء (و پادری) کہتے کہ ہم جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، تو ہماری مراد بیٹے سے حقیقی معنیٰ نہیں، بلکہ مجازی معنیٰ مراد ہے، جیسے محبت و پیار میں کسی کو بیٹا کہہ دیا جاتا ہے، اس طرح کہنے سے حقیقی بیٹا مراد نہیں ہوتا، بلکہ محبوب مراد ہوتا ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے سے ہماری مراد یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ اور نیک بندے ہیں۔

عیسائیوں کی اس بات کا جواب یہ ہے کہ اگر اللہ کا بیٹا کہنے سے اُن کی یہی مراد ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی کیا خصوصیت ہے، سارے انبیاء اللہ تعالیٰ کے محبوب اور برگزیدہ اور نیک بندے ہیں، تو سب کو ایک درجہ میں رکھیں۔

اور بعض عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دینے کی یہ تاویل کرتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کا عکس اور اللہ تعالیٰ کے مخصوص جلال اور جمال کا مظہر تھیں، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ تمام مخلوق سے بلند اور برتر تھا، اسی معنیٰ کے اعتبار سے ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے برگزیدہ بندوں کو اپنے جلال اور جمال کا مظہر بنایا ہے، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہما السلام اور خاص طور پر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات اللہ تعالیٰ کی خاص صفات کا مظہر تھی، اس اعتبار سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص کے کوئی معنیٰ نہیں۔

لہٰذا عیسائیوں کی یہ تاویل بھی غلط ہے، کیونکہ اگر عیسائیوں کی یہ تاویل صحیح تسلیم کرلی جائے تو ستارہ پرست وغیرہ بھی یہی تاویل کرسکتے ہیں کہ ہم چاند، سورج وغیرہ کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کیونکہ یہ چاند، سورج وغیرہ اللہ کی کامل ترین مخلوق، یا اللہ کے جلال کا مظہر ہیں۔

غرضیکہ ہر طرح کی تاویلات غلط ہیں، اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے قبضے اور تصرف میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اولاد کے اختیار کرنے سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی حلیم نہیں

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم - مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلَى أَذًى يَسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى إِنَّهُمْ يَجْعَلُونَ لَهُ نِدًّا وَيَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا وَهُوَ مَعَ ذَلِكَ يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ وَيُعْطِيهِمْ (مسلم، حديث نمبر ۷۲۶۰)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تکلیف دینے والی باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، لوگ اللہ کے لیے اولاد تجویز کرتے ہیں، وہ پھر بھی اُن کو رزق عطا فرماتا ہے، اور اُن کو عافیت دیتا ہے، اور اُنہیں عطا فرماتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تکلیف تو جسم اور جان کو ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہیں، لیکن لوگوں کی باتیں ایسی ہیں، جو تکلیف دینے والی ہیں، اور ان باتوں سے اللہ تعالیٰ کو سخت ناگواری اور بیزاری ہے، پھر بھی اللہ تعالیٰ اُنہیں زندہ رکھتے ہیں، رزق اور عافیت دیتے ہیں، اور عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتے (معارف القرآن عثمانی، وادریسی، بتغیر)

درسِ حدیث

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

مفتی محمد رضوان

نماز میں خشوع وخضوع کی فضیلت واہمیت (قسط۹)

نماز میں کلام اوراشارہ کرنا

ابتدائے اسلام میں نماز پڑھنے کے دوران زبان سے ایک دوسرے کے ساتھ کلام وسلام کی اجازت تھی، مگر بعد میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی، اور سلام، کلام سے منع کردیا گیا۔

اس لئے نماز میں زبان سے کسی قسم کا کلام کرنا جائز نہیں، اور ایسا کرنا نماز کو فاسد کردیتا ہے۔

البتہ اگر زبان سے کلام نہ کیا جائے، بلکہ کسی دوسری طرح سے اشارہ کیا جائے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، ہاں بلاضرورت ایسا کرنا بھی مناسب نہیں، بلکہ مکروہِ تنزیہی ہے (کیونکہ اس سے نماز کے خشوع میں خلل آتا ہے) اور ضرورت کے وقت مکروہ نہیں۔

آگے قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى نَزَلَتْ (وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ) فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ وَنُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ (مسلم حديث نمبر ۱۲۳۱، واللفظ لهٗ، ترمذی حديث نمبر ۳۷۰، باب ماجاء فی نسخ الكلام فی الصلاة)

ترجمہ: ہم نماز میں بات چیت کرلیا کرتے تھے، جو آدمی نماز میں ہوتا، تو وہ اپنے ساتھ نماز پڑھنے والے سے بات کرلیا کرتا تھا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ (یعنی تم اللہ تعالیٰ کے لئے خاموش کھڑے رہو)

تو پھر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اور بات چیت سے منع کردیا گیا (ترجمہ ختم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد میں نماز میں کلام کرنا جائز نہیں رہا تھا، اس لئے نماز میں کلام کرنا نماز کو

فاسد کر دیتا ہے۔ ۱؎

اور حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں:

قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمَدِيْنَةَ ، وَالنَّاسُ يَتَكَلَّمُوْنَ فِى الصَّلَاةِ فِى حَوَائِجِهِمْ كَمَا يَتَكَلَّمُ أَهْلُ الْكِتَابِ فِى الصَّلَاةِ فِىْ حَوَائِجِهِمْ حَتّٰى نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةَ : وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (التفسير من سنن سعيد بن منصور، باب تفسير سورة البقرة، روايت نمبر ۳۸۵)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ تشریف لائے، تو لوگ نماز میں اپنی ضروریات کے لیے کلام کرلیا کرتے تھے، جس طرح سے کہ اہلِ کتاب نماز میں اپنی ضروریات کے لیے کلام کرلیتے ہیں، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ:

وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِين (یعنی تم اللہ تعالیٰ کے لئے خاموش کھڑے رہو) (ترجمہ ختم)

اور حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَيْنَا أَنَا أُصَلِّى مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ . فَرَمَانِى الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ أُمِّيَاهُ مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ . فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِى لَكِنِّى سَكَتُّ فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَبِأَبِى هُوَ وَأُمِّى مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ

۱؎ فوقع الحديث بيانا لمجمل الآية وان المراد بالقنوت فيها السكوت عن كلام الناس فكان ترك الكلام فرضا من فروض الصلاة لما تقرر فى الاصول ان البيان يلتحق بالمبين ، واذا وقع الظنى بيانا للقطعى صار قطعيا ايضا. واذا تمهد لک هذا فاعلم انه لايمكن اباحة الكلام فى الصلاة بعد حضره بالنص الا بنص مثله دون خبر الواحد على اصلنا لعدم جواز نسخ الكتاب والزيادة عليه بخبر الواحد عندنا ،فاندحض احتجاج الخصم بحديث ذى اليدين علينا (اعلاء السنن ج۵ ص ۲۵ ، باب فساد الصلاة بكلام الناس مطلقا)

ملحوظ رہے کہ قرآن مجید کی سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت جس میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہے، اور خود حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی مدینہ میں ایمان لائے ہیں۔

وَهٰذَا زَيْدُ بْنُ أَرْقَمَ الْأَنْصَارِيُّ يَقُولُ :كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِى الصَّلَاةِ ,حَتَّى نَزَلَتْ (وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِين) فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ ,وَقَدْ رَوَيْنَا ذٰلِكَ عَنْهُ فِى غَيْرِ هَذَا الْمَوْضِعِ مِنْ كِتَابِنَا هٰذَا وَصُحْبَةُ زَيْدٍ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا كَانَتْ بِالْمَدِينَةِ .فَقَدْ ثَبَتَ بِحَدِيثِهِ هَذَا أَنَّ نَسْخَ الْكَلَامِ فِى الصَّلَاةِ كَانَ بِالْمَدِينَةِ بَعْدَ قُدُومِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ ,مَعَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ لَمْ يَحْضُرْ تِلْكَ الصَّلَاةَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْلًا ,لِأَنَّ ذَا الْيَدَيْنِ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ ,مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ أَحَدُ الشُّهَدَاءِ .قَدْ ذَكَرَ ذٰلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ وَغَيْرُهُ .وَقَدْ رُوِىَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ مَا يُوَافِقُ ذٰلِكَ (شرح معانى الآثار حديث نمبر ۲۶۰۵)

أَحُسَنَ تَعُلِيمًا مِنُهُ فَوَاللَّهِ مَا كَهَرَنِي وَلاَ ضَرَبَنِي وَلاَ شَتَمَنِي قَالَ إِنَّ هَذِهِ الصَّلاَةَ لاَ يَصُلُحُ فِيهَا شَيُءٌ مِنُ كَلاَمِ النَّاسِ إِنَّمَا هُوَ التَّسُبِيحُ وَالتَّكُبِيرُ وَقِرَاءَةُ الُقُرُآنِ (مسلم، باب تَحُرِيمِ الُكَلاَمِ فِي الصَّلاَةِ وَنَسُخِ مَا كَانَ مِنُ إِبَاحَتِه، واللفظ لهٗ؛ نسائی، حدیث نمبر ۱۲۱۷؛ مسند احمد، حدیث نمبر ۲۳۷۶۲؛ مصنف ابن ابی شیبة، حدیث نمبر ۸۱۰۴؛ سنن دارمی، حدیث نمبر ۱۵۵۴)

ترجمہ: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، تو لوگوں میں سے ایک آدمی کو چھینک آئی، تو میں نے اس پر یرحمک اللہ کہہ دیا، تو لوگوں نے اپنی آنکھوں کے اشارے سے مجھے تنبیہ کی، تو میں نے کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا کہ تم میری طرف دیکھتے ہو، تو لوگوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے شروع کیے (جو مجھے خاموش کرنے کا اشارہ تھا) پس جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کررہے ہیں، تو میں نے خاموشی اختیار کرلی، پھر جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے اور میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے مقابلے میں بہتر تعلیم دینے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم آپ ﷺ نے نہ مجھے جھڑکا، اور نہ مارا، اور نہ بُرا بھلا کہا، اور فرمایا کہ یہ نماز لوگوں کے کسی بھی طرح کے کلام کی گنجائش نہیں رکھتی، نماز تو تسبیح، تکبیر اور قرآن مجید کی قرأت کا نام ہے (ترجمہ ختم)

جیسا کہ گزرا کہ ابتدائے اسلام میں نماز کے اندر سلام وکلام کی اجازت تھی، بعد میں ممانعت ہوگئی تھی، ان صحابی کو شریعت کا نیا حکم معلوم نہ تھا، اس لیے انہوں نے نماز میں کلام کیا، جس پر دوسرے لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ [۱]

اس حدیث میں حضور ﷺ نے نماز میں ہر قسم کے کلام کی گنجائش کی نفی فرمادی، اور اسی کے ساتھ نماز کے اذکار کو بھی اُصولی انداز میں واضح فرمادیا، جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں نماز کے اذکار کے علاوہ کسی بھی طرح کا کلام کرنا جائز نہیں۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلاَةِ فَيَرُدُّ عَلَيُنَا فَلَمَّا رَجَعُنَا مِنُ عِنُدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمُنَا عَلَيُهِ فَلَمُ يَرُدَّ عَلَيُنَا وَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلاَةِ شُغُلًا

---

[۱] یہ واقعہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد کا ہے، کیونکہ حضرت معاویہ بن حکم سلمی انصاری صحابہ میں سے ہیں، اور حضور ﷺ کی مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد اسلام لائے ہیں، لہٰذا ان کا واقعہ ہجرت کے بعد ہی پیش آیا ہے۔

(بخاری، باب مَا یُنْهَی عَنْهُ مِنَ الْكَلامِ فِی الصَّلاةِ، حدیث نمبر ۱۱۲۴ واللفظ لهٗ؛ مسلم، باب تَحْرِيمِ الْكَلامِ فِی الصَّلاةِ وَنَسْخِ مَا كَانَ مِنْ إِبَاحَتِهِ؛ ابوداوٗد، باب رَدِّ السَّلامِ فِی الصَّلاةِ؛ معجم کبیر طبرانی، حدیث نمبر ۹۹۸۰؛ صحیح ابن خزیمہ، حدیث نمبر ۸۲۳؛ مسند ابی یعلیٰ، حدیث نمبر ۵۰۶۵)

ترجمہ: ہم نبی ﷺ کو نماز پڑھنے کی حالت میں سلام کیا کرتے تھے، اور آپ ﷺ (نماز میں) ہمارے سلام کا جواب دیا کرتے تھے، پھر جب ہم نجاشی (حبشہ کی زمین) سے (ہجرت کرکے مدینہ) لوٹ آئے، تو ہم نے نبی ﷺ کو سلام کیا، تو آپ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا، اور (سلام سے فراغت کے بعد) فرمایا کہ نماز میں مشغولی (سلام کلام کے لیے مانع) ہوتی ہے (ترجمہ ختم)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں ہے:

كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا السَّلامَ حَتَّى قَدِمْنَا مِنْ أَرْضِ الْحَبَشَةِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَأَخَذَنِي مَا قَرُبَ وَمَا بَعُدَ فَجَلَسْتُ حَتَّى إِذَا قَضَى الصَّلاةَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُحْدِثُ مِنْ أَمْرِهِ مَا يَشَاءُ وَإِنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ مِنْ أَمْرِهِ أَنْ لا يُتَكَلَّمَ فِي الصَّلاةِ (سنن نسائی حدیث نمبر ۱۲۲۰، واللفظ لهٗ، السنن الکبریٰ للنسائی حدیث نمبر ۵۵۹، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث نمبر ۹۹۷۹، صحیح ابنِ حبان حدیث نمبر ۲۲۴۳، مسند الحمیدی حدیث نمبر ۱۰۰، مسند احمد حدیث نمبر ۴۱۴۵)

ترجمہ: ہم نبی ﷺ کو (نماز میں) سلام کیا کرتے تھے، اور آپ ﷺ ہمارے سلام کا جواب دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ جب ہم حبشہ کی زمین سے (ہجرت کرکے مدینہ) آ گئے، تو میں نے نبی ﷺ کو سلام کیا، تو آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا، تو مجھے (حضور ﷺ کی ناراضگی کے خوف کی وجہ سے) قرب وجوار نے پکڑ لیا (یعنی تکلیف محسوس ہونے لگی) میں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ نبی ﷺ نے نماز مکمل فرمائی، پھر اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عز وجلّ جس وقت جو نیا حکم چاہتے ہیں، نازل فرما دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا اب یہ حکم آ چکا ہے کہ نماز میں کلام نہیں کیا جائے گا (ترجمہ ختم)

ابتداء میں جبکہ حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں موجود تھے، صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے مکہ مکرمہ سے حبشہ کی

طرف ہجرت فرمائی تھی، پھر جب نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، تو حبشہ میں موجود صحابۂ کرام بھی مدینہ منورہ تشریف لے آئے، جن میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں یہ واقعہ اسی ضمن میں ہے۔ [۱]

اور حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّى فَلَمْ يَرُدَّ عَلَىَّ فَلَمَّا سَلَّمَ أَشَارَ إِلَى الْقَوْمِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَعْنِى أَحْدَثَ فِى الصَّلَاةِ أَنْ لَا تَكَلَّمُوا إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا يَنْبَغِى لَكُمْ وَأَنْ تَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (سنن نسائی حدیث نمبر ۱۲۱۹)

ترجمہ: پھر میں نے نبی ﷺ کو سلام کیا، اور آپ نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے میرے سلام

---

[۱] ملحوظ رہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف دو بار ہجرت کی ہے، اُن کی دوسری ہجرت سے مدینہ طیبہ میں واپسی سنہ۲ ہجری میں غزوۂ بدر سے کچھ پہلے ہوئی۔

قال ابن الملک كان هاجر جماعة من الصحابة من مكة إلى أرض الحبشة حين كان رسول الله بمكة فارين منها لما يلحقهم من إيذاء الكفار فلما خرج عليه الصلاة والسلام منها إلى المدينة وسمع أولئک بمهاجرته هاجروا من الحبشة إلى المدينة فوجدوا النبى فى الصلاة ومنهم ابن مسعود رضى الله تعالى عنه فقلنا أى بعد الصلاة يا رسول الله كنا نسلم عليک فى الصلاة فترد علينا فقال إن فى الصلاة لشغلا بضم الشين وسكون الغين وبضمهما أى مانعا من السلام قال الطيبى التنكير يحتمل التنويع يعنى أن شغل الصلاة قراء ة القرآن والتسبيح والدعاء لا الكلام ويحتمل التعظيم أى شغلا أى شغل لأنها مناجاة مع الله سبحانه وتعالى واستغراق فى خدمته فلا تصلح للاشتغال بالغير قال المظهر كان الكلام فى بدء الإسلام جائزا فى الصلاة ثم حرم وفى شرح السنة أكثر الفقهاء على أنه لا يرده بلسانه ولو رد بطلت صلاته ويشير بيده أو اصبعه اه وقال ابن حجر لأنه عليه الصلاة والسلام أشار بيده كما صححه الترمذى (مرقاة، كتاب الصلاة، باب ما لا يجوز من العمل فى الصلاة)

وقال صاحب الكمال وغيره هاجر ابن مسعود إلى الحبشة ثم هاجر إلى المدينة ولهذا قال الخطابى إنما نسخ الكلام بعد الهجرة بمدة يسيرة وهذا يدل على اتفاق حديث ابن مسعود وزيد بن أرقم على أن التحريم كان بالمدينة (عمدة القارى، كتاب التطوع، باب ما ينهى من الكلام فى الصلاة)

هاجر ابن مسعود إلى الحبشة الهجرتين، ثم إلى المدينة، وشهد بدراً (المنتظم لابن جوزى، سنة اثنتين وثلاثين)

وممن يذكر أنه قدم على رسول الله صلى الله عليه وسلم مكة من مهاجرة أرض الحبشة الأولى ثم هاجر إلى المدينة وفى تسمية من شهد بدرا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عبد الله بن مسعود ابن أم عبد (تاريخ مدينة دمشق، ج۳۳ص ۷۶)

إن رجوعهم كان مرتين، كما فى السيرة لمحمد بن إسحاق :الأول لما سمعوا أن كفار مكة أسلموا جميعا، فلما دخلوها علموا أنهم قد أرجف بهم، فرجعوا على آثارهم إلا قوما :منهم ابن مسعود رضى الله عنه، فإنهم نزلوا لزيارته صلى الله عليه وسلمثم ارجعوا إلى الحبشة والثانى :لما سمعوا هجرة النبى صلى الله عليه وسلموأصحابه، فوجدوا النبى صلى الله عليه وسلميصلى الحديث بطوله .وذلک بعد قصة ذى اليدين، وحينئذ نسخ الكلام وأمر بالكسوت، فتكون قصة ذى اليدين منسوخة .وقد أطال الطحاوى فى البحث عنه فراجعه.(فيض البارى شرح البخارى، كتاب التطوع، باب ما ينهى من الكلام فى الصلاة)

کا جواب نہیں دیا، پھر جب نبی ﷺ نے سلام پھیر لیا، تو قوم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ عزوجلّ نے نماز کے بارے میں یہ نیا حکم فرمایا ہے، کہ تم اللہ کے ذکر کے علاوہ کلام نہ کرو، اور تمہارے لئے کلام کرنا درست نہیں، اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے نماز میں خاموش کھڑے رہو (ترجمہ ختم)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

وَإِنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ لَكُمْ فِي الصَّلَاةِ أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ أَحَدٌ إِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ، وَمَا يَنْبَغِي مِنْ تَسْبِيحٍ وَّتَمْجِيدٍ ":وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ (تفسیر طبری باسناد صحیح ، حدیث نمبر ۵۵۲۶، تحت آیت ۲۳۸ من سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نماز میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ کوئی سوائے اللہ کے ذکر کے، اور (نماز کی شان کے) مناسب تسبیح اور تمجید کے کلام نہ کرے، اور تم اللہ کے لئے خاموش کھڑے رہو (ترجمہ ختم)

اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے:

فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلَاةِ أَخَذْتُمْ بِالتَّصْفِيحِ إِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ سُبْحَانَ اللَّهِ (بخاری، باب رَفْعِ الْأَيْدِي فِي الصَّلَاةِ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِه، واللفظ لهٗ؛ سنن نسائی، حدیث نمبر ۷۸۳؛ صحیح ابن خزیمه، حدیث نمبر ۸۲۲)

ترجمہ: پھر جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے لوگو! تمہیں کیا ہوگیا، جب تمہیں نماز میں کوئی چیز پیش آ گئی تو تم نے تصفیح (یعنی ہاتھ پر ہاتھ مارنا) شروع کردیا، تصفیح تو عورتوں کے لیے ہے، جس (مرد) کو نماز میں کوئی چیز پیش آئے (یعنی امام وغیرہ کو غلطی پر متنبہ کرنا ہو) تو اُسے چاہیے کہ سبحان اللہ کہے (ترجمہ ختم)

اور بعض روایات میں ہے:

مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَقُلْ :سُبْحَانَ اللهِ ,إِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ , وَالتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ " (شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر ۱۷۵۴؛ مستخرج ابی عوانة، حدیث نمبر ۱۶۱۱؛ مسند ابی یعلیٰ، حدیث نمبر ۷۳۷۹؛ مسند الحمیدی، حدیث نمبر ۹۷۳)

ترجمہ: جس کونماز میں کوئی چیز پیش آ جائے،تو اُسے چاہیے کہ (زبان سے) سبحان اللہ کہے، تصفیق (یعنی ہاتھ پر ہاتھ مارنا) تو عورتوں کے لیے ہے،اورمَردوں کے لیے تسبیح ہے (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ اگر نماز پڑھنے والا مرد ہواوراپنے امام کواُس کی کسی غلطی کی طرف متوجہ کرے،تو اُسے سبحان اللہ کہنا چاہیے۔سبحان اللہ کہنے کا حکم اسی لیے ہے کہ سبحان اللہ ذکر ہے،جس سے نماز پر کوئی فرق نہیں پڑتا،اور کلام کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے،اس لیے آپ ﷺ نے دوسرے طریقے سے کلام کر کے امام کی غلطی پر متوجہ کرنے کی اجازت نہیں دی،بلکہ سبحان اللہ کہنے کا حکم فرمایا۔

ملحوظ رہے کہ بعض احادیث میں ذی الیدین صحابی کے قصہ میں حضور ﷺ کے نماز کے دوران بات کرنے کا ذکر ملتا ہے،اس سلسلہ میں ہمارے فقہائے کرام نے دلائل کی روشنی میں فرمایا ہے کہ ذی الیدین کا قصہ اس وقت کا ہے،جبکہ نماز میں بات چیت کرنے کی اجازت تھی۔

مگر بعد میں یہ ممانعت ہوگئی،لہٰذا ذی الیدین کے قصہ سے نماز میں بات چیت کا جواز ثابت نہیں ہوتا (والتفصیل فی:اعلاء السنن ج۵ص۲۵ تا ۳۷،باب فساد الصلاۃ بکلام الناس مطلقا) [1]

نماز میں زبان سے کلام کرنے کی تفصیل تو ذکر کی جاچکی،اب زبان سے کلام کئے بغیر سر یا ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کرنے کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَرْسَلَنِى نَبِىُّ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم -إِلَى بَنِى الْمُصْطَلِقِ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّى عَلَى بَعِيرِهِ فَكَلَّمْتُهُ فَقَالَ لِى بِيَدِهِ هٰكَذَا ثُمَّ كَلَّمْتُهُ فَقَالَ لِى بِيَدِهِ هٰكَذَا وَأَنَا أَسْمَعُهُ يَقْرَأُ وَيُومِئُ بِرَأْسِهِ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ مَا فَعَلْتَ فِى الَّذِى أَرْسَلْتُكَ فَإِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِى أَنْ أُكَلِّمَكَ إِلَّا أَنِّى كُنْتُ أُصَلِّى (ابوداؤد حديث نمبر ۹۲۷؛ واللفظ لهٗ؛ مسلم حديث نمبر ۱۲۳۴، مسند احمد حديث نمبر ۱۴۳۴۵،سنن البيهقى حديث نمبر ۳۵۳۱)

ترجمہ: مجھے اللہ کے نبی ﷺ نے بنی مصطلق (قبیلے) کی طرف بھیجا،میں نبی ﷺ کے پاس (فارغ ہوکر واپس) آیا،تو آپ ﷺ اپنے اونٹ پر (نفل) نماز پڑھ رہے تھے،تو میں نے نبی

---

[1] حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِى دَاوُدَ، قَالَ :ثنا سَعِيدُ بْنُ أَبِى مَرْيَمَ، قَالَ :أَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، قَالَ :حَدَّثَنِى عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ الْعُمَرِىِّ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، رَضِىَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ ذَكَرَ لَهُ حَدِيثَ ذِى الْيَدَيْنِ ,فَقَالَ :كَانَ إِسْلَامُ أَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ بَعْدَمَا قُتِلَ ذُو الْيَدَيْنِ:وَإِنَّمَا قَوْلُ أَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ عِنْدَنَا صَاحَ بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِى بِالْمُسْلِمِينَ ,وَهَذَا جَائِزٌ فِى اللُّغَةِ .وَقَدْ رُوِىَ مِثْلُ هَذَا عَنِ النِّزَالِ بْنِ سَبْرَةَ(شرح معانى الآثار حديث نمبر ۲۶۰۶)

Idara Ghufran

ﷺ سے کلام کیا، نبی ﷺ نے مجھے اپنے ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا، پھر میں نے نبی ﷺ سے کلام کیا، تو پھر نبی ﷺ نے اس طرح اشارے سے جواب دیا، اور میں نبی ﷺ کو قرأت کرتے ہوئے سُن رہا تھا، آپ ﷺ اپنے سر سے اشارہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، پھر جب نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے، تو فرمایا کہ جس کام کے لیے میں نے آپ کو بھیجا تھا، اس کا کیا ہوا، کیونکہ مجھے آپ سے کلام کرنے سے صرف اس چیز نے منع کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں زبان سے کلام کرنا تو جائز نہیں، البتہ ضرورت کے وقت دوسرے کو زبان کے علاوہ کسی دوسری طرح سے اشارہ کر کے جواب دینے کی گنجائش ہے، اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِينَ كَانُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ كَانَ يُشِيرُ بِيَدِهِ (ترمذی، بَاب مَا جَاءَ فِي الْإِشَارَةِ فِي الصَّلَاةِ، حدیث نمبر ۳۳۶، واللفظ لهٗ، مسند احمد حدیث نمبر ۲۳۸۸۶) [۱]

ترجمہ: میں نے حضرت بلال سے کہا کہ نبی ﷺ لوگوں کے سلام کا نماز کی حالت میں کس طرح جواب دیا کرتے تھے، تو حضرت بلال نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- كَانَ يُشِيرُ فِي الصَّلَاةِ (سنن أبي داود، حديث نمبر ۹۴۴، كتاب الصلاة، باب الاشارة في الصلاة، مسند أحمد، حديث نمبر ۱۲۴۰۷، ابنِ حبان، ذكر الإباحة للمرء أن يشير في صلاته لحاجة تبدو له، مصنف عبد الرزاق، ابويعلیٰ، ابنِ خزيمه، دارقطني، بيهقي، تاريخِ جرجان، طبراني، تاريخِ بغداد)
إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی ﷺ نماز میں اشارہ فرماتے تھے (ترجمہ ختم)

---

[۱] هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَدِيثُ صُهَيْبٍ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ اللَّيْثِ عَنْ بُكَيْرٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ حَيْثُ كَانُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ فِي مَسْجِدِ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ كَانَ يَرُدُّ إِشَارَةً وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ عِنْدِي صَحِيحٌ لِأَنَّ قِصَّةَ حَدِيثِ صُهَيْبٍ غَيْرُ قِصَّةِ حَدِيثِ بِلَالٍ وَإِنْ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَوَى عَنْهُمَا فَاحْتَمَلَ أَنْ يَكُونَ سَمِعَ مِنْهُمَا جَمِيعًا (ترمذی، بَاب مَا جَاءَ فِي الْإِشَارَةِ فِي الصَّلَاةِ، حدیث نمبر ۳۳۶)

یعنی حضور ﷺ ضرورت کے وقت سر وغیرہ کے اشارہ سے جواب دے دیا کرتے تھے۔ [1]

اس قسم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کی حالت میں زبان سے الفاظ ادا کئے بغیر سر یا ہاتھ وغیرہ کے اشارہ سے جواب دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور اگر ضرورت کے وقت اس طرح اشارہ سے جواب دیا جائے، تو نماز مکروہ بھی نہیں ہوتی۔ البتہ بلاضرورت ایسا کرنا مناسب نہیں، کیونکہ اس سے نماز کے خشوع میں خلل آتا ہے۔ اور اشارہ سے سلام کا جواب دینے کو بعض فقہاء نے جو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ نمازی پر سلام کا جواب دینا واجب نہیں، اور اشارہ سے بھی سلام کا جواب دینے سے نمازی کو اپنی نماز کی طرف سے توجہ ہٹانی پڑتی ہے، اور اس کی نماز کے خشوع میں کسی درجے کا فرق واقع ہوتا ہے۔ جہاں تک حضور ﷺ کا نماز میں سلام کا اشارہ سے جواب دینے کا تعلق ہے، تو وہ بیانِ جواز کی تعلیم پر محمول ہے "فلاتعارض بين الاباحة والكراهة" [2]

---

[1] الاشارة المذكورة فى هذاالحديث محمولة على الاشارة فى الصلاة للحاجة كرد السلام وغيره ويمكن ان يحمل على الاشارة بالسبابة فى التشهد ولكن صنيع المؤلف يدل على ان المراد ههنا بالاشارة هو الاول لانه عقد الباب للاشارة فى التشهد فيما بعد قريبا قال فى المراق الفلاح فى مكروهات الصلاة ورد السلام بالاشارة لانه سلام معنى وفى الذخيرة لاباس للمصلى ان يجيب المتكلم براسه ورد الاثر فى عن عائشة رضى الله عنهاوقال الطحطاوى فى حاشيته قوله لاباس للمصلى ان يجيب قال الحلوانى لاباس ان يتكلم مع المصلى وان يجيب هو برأسه او بيده ولو سلم على المصلى يرد فى نفسه عنده وبعد الصلاة عندمحمد ولايردهه مطلقا عند ابى يوسف رحمه الله وذكر الخطابى والطحاوى ان النبى ﷺ رد على ابن مسعود رضى الله عنه بعد فراغه من الصلاة، كذا فى الشرح عن مجمع الروايات وهو يؤيد قول محمد انتهى(بذل المجهود، ج۲ص۱۰۷، كتاب الصلاة، باب الاشارة فى الصلاة)

[2] (فرع) لا بأس بتكليم المصلي وإجابته برأسه كما لو طلب منه شيء أو أرى درهما وقيل أجيد فأومأ بنعم أو لا أو قيل كم صليتم فأشار بيده أنهم صلوا ركعتين (درمختار)

(قوله وإجابته برأسه) قال في الإمداد :وبه ورد الأثر عن عائشة رضي الله عنها ، وكذا في تكليم الرجل المصلي ، قال تعالى -(فنادته الملائكة وهو قائم يصلي في المحراب) - وهل يجيب السلام بعد السلام من الصلاة ؟ ذكر الخطابي والطحاوي "(أن النبي صلى الله عليه وسلم رد على ابن مسعود بعد فراغه من الصلاة) كذا في مجمع الروايات .ا هـ (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

وقال ابو حنيفة فى الرجل يسلم عليه وهو يصلى انه لا يرد عليه السلام فى صلاته وما احب له ان يشير بيده فان فى الصلاة شغلا . وقال اهل المدينة فى الرجل يسلم على الرجل فى الصلاة لا يتكلم وليشر بيده وقال محمد بن الحسن ما احب له ان يزيد فى صلاته شيئا ليس منها من اشارة ولا غيرها ولكن اذا قضى صلاته فليرد عليه السلام فان من الخشوع فى الصلاة ترك الاشارة (كتاب الحجة على اهل المدينة ،باب التشهد والسلام والصلاة على النبى صلى الله عليه واله وسلم)

وقد صرحوا كما في منية المصلي وغيرها بكراهة السلام على المصلي ورده بالإشارة أجاب العلامة الحلبي بأنها كراهة تنزيهية وفعله عليه السلام لها إنما كان تعليما للجواز فلا يوصف بالكراهة وقد أطال رحمه الله الكلام هنا إطالة حسنة كما هو دأبه(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

مقالات و مضامین (اِس دور کے چارہ گر کہاں ہیں؟ قسط ۱۰) مفتی محمد امجد حسین

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ (سورۃ اعراف آیت ۱۴۶)

ترجمہ: میں اپنی نشانیوں سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور وہ اگر ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں، تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے، اور اگر انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ نظر آئے تو اس کو اپنا طریقہ نہیں بنائیں گے، اور اگر گمرہی کا راستہ نظر آ جائے، تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں گے، یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اس سے بالکل بے پرواہ ہو گئے۔

تکبر اور اہلِ تکبر کی نفسیات

تکبر یعنی اپنے آپ کو کچھ سمجھنا، اپنی بڑائی اور دوسروں کی حقارت کے خبط میں مبتلا ہونا اور (اس خبط کی وجہ سے) حق کو ٹھکرانا، یہ روح کی مہلک بیماری اور نفسِ انسانی کا بڑا روگ ہے، تکبر کے اسی خبط نے شیطان کو راندہ درگاہ اور ہمیشہ کے لئے پھٹکار زدہ وملعون بنایا۔

تکبر عزازیل راخوار کرد بزندانِ لعنت گرفتار کرد

اسی خبط کی وجہ سے قومِ نوح سے لے کر قریشِ مکہ تک ہر قوم کے سر برآوردہ لوگوں، سردار و مالدار اور حاکم ومختار قسم کی ہستیوں نے ہر زمانے میں حضراتِ انبیائے کرام اور راہِ حق کے پرستاروں کا مقابلہ اور ان کے ساتھ مجادلہ ومقاتلہ کیا، کفر وگمراہی پر اصرار کیا، شر وفساد سے زمین کا سینہ بھر دیا، حق بات اور ہدایت کی تعلیمات کو قبول کر کے اپنی زندگی کو ان روشن و برحق اور باعثِ نجات پیغمبرانہ تعلیمات کی روشنی میں استوار کرنے سے منہ موڑا اور انحراف کیا، اس طرح خود بھی ہدایت کی برکات وانوارات کے حصول اور سعادتوں کے سمیٹنے سے محروم رہے اور اپنے متبعین اور اپنی قوموں وقبیلوں کو ہدایت سے باز رکھنے اور محروم کرنے کا باعث بھی بنے، ایک محقق عالم نے تکبر کے خمیر میں گندھی ہوئی وہ وجوہ اور اسباب وعلل جو متکبرین کی

سرشت میں راسخ و پیوست ہوکر ان کے مزاج کا جزء بن چکی ہوتی ہے، اور ان کے ہدایت سے منحرف رہنے کا باعث بنتی ہیں، ان کی نشاندہی وتعیین یوں فرمائی ہے۔

(الف)...... جھوٹی عزتِ نفس اور خودداری کا جاہلی (ونفسانی) جذبہ کیونکہ قبولِ حق کی وجہ سے اپنے جاہ واقتدار سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، جاہلی (وخودساختہ) عادات ورسوم (اور طور وطریقے) چھوڑنے پڑتے ہیں، بہت سے فوائد سے ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے، آزادی اور خودسری کی زندگی کے بجائے پابندی وقانون (احکامِ شرع کی اتباع) کی زندگی گزارنی پڑتی ہے۔

(ب)...... کبھی پیغمبر کی ظاہری حالت اور غربت کو دیکھ کر (اسی طرح پیغمبر کے بعد ہر زمانے میں اس کے نائبین، دین حق کے داعیوں، ہدایت کے پرستاروں کی سادہ حالی، اور دنیا واسبابِ دنیا سے ان کی لاتعلقی وقناعت کی وجہ سے ان کی سادہ معاشی وبے سروسامانی کو دیکھ کر) اپنے مقابلے میں ان کو کم حیثیت سمجھنا اور ان کی پیروی، ان کے لائے ہوئے دین اور بیان کی ہوئی ہدایت کی پیروی میں اپنی توہین اور بے وقعتی سمجھنا، اور ہدایت قبول کرنے سے باز رہنا، چنانچہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی بے سروسامانی کا موازنہ اپنے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اور کروفر کے ساتھ کرتے ہوئے اپنی افضلیت وبرتری جتلائی تھی (کہ برتر ہوتے ہوئے میں اس بے وقعت شخص کی پیروی کیوں کروں)

أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ (سورة زخرف آیت ۵۲،۵۳)

ترجمہ: بے شک میں اس شخص سے جو کچھ عزت نہیں رکھتا، اور صاف گفتگو بھی نہیں کرسکتا، کہیں بہتر ہوں، تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے، یا فرشتے جمع ہوکر اس کے ساتھ آتے۔

(ج)...... کبھی یہ رکاوٹ اس بناء پر ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دنیوی اقبال مندی وترقی اور قسمت کی یاوری کی وجہ سے یہ فرض کرلیا ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر اچھی چیز کے مستحق ہم ہیں، اور وہ چیز خیر ہی نہیں، جو پہلے ہم کو نہ ملے، ہم سے پہلے کسی اور کو ملے (پس نبوت وہدایت اگر اچھی چیز ہوتی، تو پہلے ہمیں حاصل ہوتی، ہم خدائی خزانوں کے ٹھیکیدار اور خدا کی ساری نعمتوں کے اصل حقدار جو ٹھہرے) چنانچہ کافروں اور نافرمانوں کی اس ذہنیت کی عکاسی ان آیات سے ہوتی ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ (سورة احقاف آیت ۱۱)

ترجمہ: اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ دین کچھ بہتر ہوتا، تو یہ لوگ اس کی طرف ہم

سے پہلے نہ دوڑ پڑتے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (سورۃ زخرف آیت ۳۱)

ترجمہ: اور کافر یہ بھی کہنے لگے یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی (سردار، مالدار، رئیس) پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔

(مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی لعلی میاں ندوی رحمہ اللہ)

سبیل الرشد سے انحراف اور سبیل الغی کا امتثال

ہدایت سے انحراف کے معاملے میں متکبرین کی ذہنیت ومزاج اور ان کی نفسیات مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں بڑی حدتک ہم پر واضح ہوگئیں، ہماری زیرِ بحث آیت (جس سے بات شروع کی ہے) میں ان متکبرین کی زندگی کا ایک مجموعی طرزِ عمل یہ بتلایا گیا ہے کہ دین کا، حق سچ کا، ہدایت کا راستہ، جس حدتک چاہے ان پر واضح ہوجائے، اور اللہ کی قدرت اور دین کی حقانیت کی کائناتی، آفاقی، انفسی نشانیاں بھی گو پورے طور پر ان پر واضح ہوجائیں (جس کے بعد انکار اور انحراف کی بنظرِ انصاف کوئی گنجائش نہیں رہتی) تب بھی یہ اس حق راستے کو قبول نہ کریں گے، اس سبیل الرشد کی اتباع نہ کریں گے، اور گمراہی وسرکشی اور کفرونافرمانی کی باتیں جو کہ سبیل الغی ہے، جیسے ہی سامنے آئیں، تو ان کو لینے واپنانے کے لئے تیار بیٹھے ہوں گے، کیونکہ وہ ان کی خواہشاتِ نفس اور فاسد دنیوی ومادی اغراض کے موافق ہوتی ہیں، اور حق بات کو لینے میں اپنی من مانی چھوڑنی پڑتی ہے، خواہشاتِ نفس کا خون کرنا پڑتا ہے، اتباع وتواضع، کے ڈھنگ اپنانے پڑتے ہیں، جس کی توفیق سے یہ محروم ہیں۔

اپنے احوال کا جائزہ

قیامِ پاکستان کے بعد قومی، ملی، اجتماعی اور ریاستی سطح پر ہماری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اور ہماری تاریخ کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے، جب ایک آزاد وخودمختار قوم کی حیثیت سے ہم نے اپنے دین ومذہب کی بنیاد پر لازوال قربانیاں دے کر ایک جدید ریاست کی تشکیل کی، اور ایک اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی، ایک ایسی اسلامی سلطنت وریاست جس میں اول وآخر اسلام کا دستور ومنشور ہی سپریم لاء ہو، زندگی کے اس نئے سفر میں آج ہم تریسٹھ سال کی مسافت طے کر چکے ہیں، بنظرِ انصاف اگر ہم اپنی اس تریسٹھ سالہ تاریخ کا جائزہ لیں، تو ملی وریاستی اور اجتماعی زندگی کی ہر قابلِ ذکر سطح پر ہمارا مجموعی طرزِ عمل ''سبیل

الرشد'' سے انحراف اور ''سبیل الغی'' کی اتباع کا رہا ہے، ہمارا یہی طرزِ عمل مجموعی طور پر اس تمام عرصہ میں گویا کہ ہمارا قومی کلچر بن چکا ہے، اس کی تفصیلات بڑی تلخ اور تکلیف دہ ہیں، جو اپنے اصولوں اور بنیادوں سے انحراف، اپنی ملی اقدار اور مذہبی روایات سے بغاوت کے اعتبار سے ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ ؎

کسی بتکدے میں بیان کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری　　گلہ جفائے وفانما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے

یہاں ہم اس گریز پائی اور انحراف کے چند جلی عنوات ذکر کرتے ہیں۔

(۱)...... قیامِ پاکستان یعنی برٹش سامراج سے آزادی پانے اور آزاد وطن حاصل کرنے کی تحریک سبیل الرشد کی اتباع یعنی کلمہ کی بنیاد پر، اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے اور ریاست کی تشکیل کرنے کے دعوے اور نعرے کی بنیاد پر برپا کی گئی، اور اس مقدس مشن کی وجہ سے پوری قوم اٹھ کھڑی ہوئی، مذہبی جوش وجذبے سے سرشار ہوکر ہر قسم کی قربانیاں قوم نے پیش کیں، اس طرح آگ وخون کے دریا عبور کر کے اسلامی ریاست اور الگ مسلم اسٹیٹ کا حصول ممکن ہوا، لیکن ملک معرضِ وجود میں آتے ہی ہم نے سبیل الرشد سے انحراف کیا، اللہ اور اس قوم سے کئے گئے سارے وعدوں کو بھلا دیا یہاں کے اقتدار نشین بزرجمہروں اور ریاستی مشینری کے کل پرزوں نے ریاستی اداروں کو اسلام کے لئے نوگوار یا ٹھہرایا، ہر مرحلے اور ہر سطح پر اسلام کا راستہ روکا، اسلام پسند طبقوں کو دیوار سے لگایا، انور صابری ایک شاعر تھے، تحریکِ پاکستان کے دوران انہوں نے قیامِ پاکستان کے بعد کے حالات کا (بطور پیشینگوئی) منظوم نقشہ کھینچا تھا، جو ہو بہو پورا ہو کر رہا۔ ؎

ہر طرف میخانے ہوں گے　　گردش میں پیمانے ہوں گے
رندوں کی شمشیر کے نیچے　　مذہب کے دیوانے ہوں گے
ختم نئے ماحول کے اندر　　واعظ کے فسانے ہوں گے
پاکستان میں کیا کیا ہوگا　　سر سے پاء تک دھوکا ہوگا

ایک قراردادِ مقاصد ہی کی منظوری کے لئے اسلام پسند طبقوں اور علماء کو کتنی مشکلات سے گزرنا پڑا، اور پھر منظوری کے بعد اس کو عملاً کبھی بھی روبہ عمل لانے کی طرف توجہ نہیں کی گئی، یہی وجہ ہے کہ ایک طرف قراردادِ مقاصد ہمارے آئین کا حصہ ہے، جس میں قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون سازی نہ ہونے کی صراحت ہے، اور جو منافی قوانین ہیں، ان کو بتدریج ختم کرنے کی صراحت ہے، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شد۔

ہمارے ہاں اسی آئین کے تحت عائلی قوانین بھی رائج ہیں، جن کا اجماعی و منصوص شرعی احکام سے کئی چیزوں میں متصادم ہونا، ڈھکی چھپی بات نہیں، حقوقِ نسواں کے نام پر کچھ عرصہ پہلے یہاں جو کھیل کھیلا گیا، اور اسلامی تعلیمات سے متصادم چیزوں کو قانونی شکل دی گئی، یہ سب سبیل الرشد سے انحراف اور سبیل الغی کی اتباع کے نمونے ہیں۔

اس کے علاوہ ختمِ نبوت کے مسئلہ پر یہاں جو کچھ ہوا، 53ء کی تحریک ختمِ نبوت میں جتنا خون بہا، اور اسلام کے ایک منصوص اجماعی مسئلہ کو اسلامی ریاست میں اس کی جائز حیثیت دلانے اور منوانے کے لئے جتنی قربانیاں دینی پڑیں، کیا اسلام کے نام پر ملک حاصل کرنے کے بعد اس کی ضرورت تھی کہ اسلام کے ایک ایک مسئلے کو ریاست سے منوانے کے لئے خون کے دریا عبور کرنے پڑیں، اس کے بغیر ریاستی عناصر ٹس سے مس نہ ہوں۔

اس کے علاوہ جاگیرداری، سرمایہ داری، کی لعنتیں اس ریاست پر اس قوم پر شروع دن سے مسلط ہیں، جس کی وجہ سے اجارہ داری، طوائف الملوکی، کرپشن و بدعنوانی، لوٹ مار، انتشار و خلفشار، اور جنگ زرگری کی شکلوں میں سبیل الغی کے اتباع کی نئی سے نئی شکلیں آئے دن سامنے آتی رہتی ہیں۔

جمہوریت کے نام پر ضمیر فروشی، قوم فروشی، ملت فروشی، دین فروشی کے گھناؤنے کھیل یہاں ہمیشہ کھیلے جاتے رہے ہیں، کفریہ طاقتوں کی ترجیحات اور خواہشات کو پورا کرنا اربابِ اقتدار نے گویا کہ ریاست کے قیام کا اولین و آخرین مقصد بنائے رکھا ہے، خواہ قوم تباہ ہو، غیرت وحمیت کا جنازہ نکلے، معیشت میں ہم دوسروں کے دست نگر ہوں، قرضوں کے بوجھ سے قوم کی کمر دوہری ہو، ہماری بلا سے، یہ سبیل الرشد سے انحراف اور سبیل الغی کی اتباع کے چند نمایاں نمونے ہیں، باقی معاشرتی اور انفرادی زندگی میں بھی بڑی حد تک ہمارا طرزِ عمل یہی بن چکا ہے، ایسی حالت میں ہم اللہ کی رحمتوں، برکتوں کے مستحق ہوں گے، یا گرفت اور پکڑ کے؟

یہ پکڑ ہم پر اس پورے عرصے میں مختلف شکلوں میں آتی رہی ہے، اور آج بڑی شدت سے ہم قدرت کے ہاتھوں منقارِ زیر پر ہیں، اب تو حالات ایسے ہوتے جا رہے ہیں، کہ شائد چھوٹے موٹے جھٹکوں تک بات نہیں رہے گی، بلکہ بہت کچھ ہوتا نظر آ رہا ہے، جس کے تصور سے بھی دانتوں کو پسینے آتے ہیں، ان حالات میں ہی ہم باز آ جائیں اور قومِ یونس والا طرزِ عمل اپنائیں، تو شائد بچت ہو جائے (جن کو عذاب کے آثار شروع ہونے کے بعد اجتماعی توبہ کرنے اور اصلاح احوال کرنے پر معاف کر دیا گیا تھا) فہل من مدکر۔ (جاری ہے......)

مقالات ومضامین درجة الفجر والشفق مفتی محمد رضوان

فجر اور شفق کے درجہ کی تحقیق (قسط۱۰)

(۲۴)......صاحبِ حاشیۃ الطحطاوی اور تحفۃ الاخیار کا حوالہ

حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی میں ہے:

ثُـمَّ إِنَّ مِـنَ الْـفَـجْـرِ إِلَى الزَّوَالِ فِيْ أَقْصَرِ أَيَّامِ السَّنَةِ فِيْ مِصْرَ وَمَا سَاوَاهَا فِي الْعَـرْضِ سَبْـعُ سَاعَاتٍ إِلَّا رُبُعًا.........ذَكَرَهُ صَاحِبُ تُحْفَةِ الْأَخْيَارِ (حاشية الطحطاوى على المراقى، باب صلاة المسافر)

ترجمہ: پھر فجر سے زوال تک سال کے چھوٹے دنوں میں مصر اور اس کے برابر عرضِ بلد والے علاقوں میں پونے سات گھنٹے ہوتے ہیں...........اسی طریقہ سے صاحبِ تحفۃ الاخیار نے یہ مسئلہ ذکر فرمایا ہے (ترجمہ مکمل)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ کی طرح صاحب حاشیۃ الطحطاوی اور صاحبِ تحفۃ الاخیار بھی 18 درجے پر صبح صادق کے قائل ہیں (تفصیل پیچھے علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت کے ذیل میں گزر چکی ہے)

(۲۵)......علامہ شامی کا ایک اور حوالہ

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قُلْتُ :وَمَجْمُوْعُ الثَّلَاثَةِ الْأَيَّامِ فِيْ دِمَشْقَ عِشْرُوْنَ سَاعَةً إِلَّا ثُلُثَ سَاعَةٍ تَقْرِيْبًا لِأَنَّ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى الزَّوَالِ فِيْ أَقْصَرِ الْأَيَّامِ عِنْدَنَا سِتُّ سَاعَاتٍ وَثُلُثَا سَاعَةٍ إِلَّا دَرَجَةً وَنِـصْـفًـا ، وَإِنِ اعْتَبَرْتَ ذٰلِكَ بِالْأَيَّامِ الْمُعْتَدِلَةِ كَانَ مَجْمُوْعُ الثَّلَاثَةِ أَيَّامٍ اِثْـنَيْنِ وَعِشْرِيْنَ سَاعَةً وَنِصْفَ سَاعَةٍ تَقْرِيْبًا لِأَنَّ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى الزَّوَالِ سَبْعُ سَاعَاتٍ وَنِصْفًا تَقْرِيْبًا (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ دمشق میں تین دنوں کا مجموعہ تقریباً پونے بیس گھنٹے بنتے ہیں، کیونکہ

فجر سے زوال تک اقصرِ ایام میں ہمارے نزدیک 6 گھنٹے اور ایک گھنٹے کے دو تہائی (یعنی چالیس منٹ) میں سے ڈیڑھ درجہ (یعنی تقریباً 6 منٹ) کم (یعنی کل مجموعہ 6 گھنٹے تقریباً 34 منٹ، اور الغرض تقریباً ساڑھے چھ گھنٹے) ہوتے ہیں، اور اگر معتدل ایام میں حساب لگایا جائے تو تین دنوں کا مجموعہ تقریباً ساڑھے بائیس گھنٹے بنتے ہیں، کیونکہ (معتدل ایام میں) فجر سے زوال تک تقریباً ساڑھے سات گھنٹے بنتے ہیں (ترجمہ مکمل)

فائدہ: دمشق جس کا موجودہ دور میں عرضِ بلد 33.31 شمالی اور طولِ بلد 36.18 مشرقی ہے، دمشق کے اقصرِ ایام میں یعنی 22 دسمبر کو فجر یعنی صبح صادق سے زوال تک کا مذکورہ تقریباً ساڑھے چھ گھنٹے کا وقفہ 18 درجے زیرِ افق کے مطابق درست بنتا ہے۔ [۱]

اور معتدل ایام میں یعنی 21 مارچ اور 23 ستمبر کی تاریخ میں فجر یعنی صبح صادق سے زوال تک کا مذکورہ تقریباً ساڑھے سات گھنٹے کا وقفہ بھی 18 درجے زیرِ افق کے مطابق درست بنتا ہے۔ [۲]

جس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ 15 درجے کے بجائے 18 درجے پر صبح صادق کے قائل ہیں۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کی طرف دُور دراز کی تاویلات کر کے صبح صادق پندرہ درجہ زیرِ افق پر ہونے کی نسبت کرنے والے حضرات کے لیے مذکورہ مسائل انتہائی قابلِ توجہ ہیں۔

(۲۶)......اہلِ بلغار کے متعلق فقہاء کے ایک جزئیہ کا حوالہ

۱۸ درجے پر صبح صادق کے طلوع اور شفقِ ابیض کے غروب کی تائید فقہائے کرام کے اس جزئیہ سے بھی

---

۱ شام کے دارالحکومت دمشق کے 18 ڈگری کے مطابق اقصرِ ایام کی 22 دسمبر کی تاریخ کے اوقات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

Isha	S.Set	Asr	Asrshafi	Zawal	S.R	Fajr	Date
6:00pm	4:32pm	2:53pm	2:13pm	11:33am	6:35am	5:06am	22

مندرجہ بالا نقشہ میں صبح صادق سے زوال تک کا وقفہ 6 گھنٹے 27 منٹ منٹ بنتا ہے، جس میں علامہ شامی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق صرف چند منٹوں کا فرق ہے، جس کی وجوہات پہلے ذکر کی جا چکیں، جبکہ معتدل ایام میں یہ فرق بھی نہیں بنتا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

۲ شام کے دارالحکومت دمشق کے 18 ڈگری کے مطابق معتدل ایام کی 21 مارچ کی تاریخ کے اوقات کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

Isha	S.Set	Asr	Asrshafi	Zawal	S.R	Fajr	Date
7:10pm	5:47pm	4:03pm	3:10pm	11:42am	5:36am	4:13am	21

مندرجہ بالا نقشہ میں صبح صادق سے زوال تک کا وقفہ 7 گھنٹے 29 منٹ بنتا ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے ساڑھے سات گھنٹے بتلایا ہے، جو کہ بالکل درست ہے۔

اور پہلے علامہ شامی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ہی گزر چکا کہ علمائے موقّتین کے بیان کردہ اوقات پر اعتماد و عمل درست ہے۔

Idara Ghufran

ہوتی ہے، جس میں انہوں نے ’’اہلِ بلغار‘‘ کے متعلق بعض راتوں میں شفق غروب نہ ہونے اوراس کے غروب سے قبل صبح صادق ہوجانے کی صورت میں وقتِ عشاء نہ پائے جانے کی وجہ سے عشاء کی نماز فرض ہونے نہ ہونے اوراس کی ادائیگی کے طریقے کی بحث کی ہے۔ [۱]

احمد بن علی بن احمد الفزاری القلقشندی ثم القاہری (المتوفی ۸۲۱ھ) نے بلغار کا عرض البلد ۵۰ درجہ اور تیس دقیقہ قرار دیا ہے۔

اور بلغار میں موسمِ صیف کی بعض راتوں میں شفق غائب نہ ہونے کو فلکی قانون کے لحاظ سے صحیح قرار دیا ہے، اوراس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کا عرض ساڑھے ۴۸ درجے سے زیادہ ہے، اور ساڑھے ۴۸

---

[۱] چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(قوله :كبلغار) بضم الباء الموحدة فسكون اللام وألف بين الغين المعجمة والراء ، لكن ضبطه فى القاموس بلا ألف .وقال :والعامة تقول بلغار :وهى مدينة الصقالبة ضاربة فى الشمال شديدة البرد ا هـ .(قوله :فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق) مقتضاه أنه فقد وقت العشاء والوتر فقط وليس كذلك ، بل فقد وقت الفجر أيضا ؛ لأن ابتداء وقت الصبح طلوع الفجر ، وطلوع الفجر يستدعى سبق الظلام ولا ظلام مع بقاء الشفق أفاده ح .أقول : الخلاف المنقول بين مشايخ المذهب إنما هو فى وجوب العشاء والوتر فقط ، ولم نر أحدا منهم تعرض لقضاء الفجر فى هذه الصورة ، وإنما الواقع فى كلامهم تسميته فجرا ؛ لأن الفجر عندهم اسم للبياض المنتشر فى الأفق موافقا للحديث الصحيح كما مر بلا تقييد بسبق ظلام .على أنا لا نسلم عدم الظلام هنا ، ثم رأيت ط ذكر نحوه .(قوله :فى أربعينية الشتاء) صوابه فى أربعينية الصيف كما فى الباقانى .وعبارة البحر وغيره :فى أقصر ليالى السنة وتمامه فى ح .وقول النهر :فى أقصر أيام السنة سبق قلم ، وهو الذى أوقع الشارح .(قوله :فيقدر لهما) هذا موجود فى نسخ المتن المجردة ساقط من المنح ، ولم أر من سبقه إليه سوى صاحب الفيض ، حيث قال :ولو كانوا فى بلدة يطلع فيها الفجر قبل غيبوبة الشفق لا يجب عليهم صلاة العشاء لعدم السبب ، وقيل يجب ويقدر الوقت ا هـ .(ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى فاقد وقت العشاء كأهل بلغار)

اورامام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الأبيض لا يغيب فى بعض البلاد كما فى البلغار (فيض القدير للمناوى تحت حديث رقم ۴۹۴۶)

اورھارون بن بہاؤالدین اہالی بلغار کی ان راتوں میں عشاء کی نماز کے بارے میں مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومنهم من يقول ان الوقت يدخل ، لان الشفق هو الحمرة على الاصح وهى تغيب ، وانما يبقى البياض والصفرة وهى غيرها (ناظورة الحق فى فرضية العشاء وان لم يغب الشفق)

اورآگے آتا ہے کہ بلغار میں حنفی مسلمان تھے (اورانہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے پیشِ نظر عشاء کی نماز کے متعلق استفتاء کیا تھا)

درجے عرض البلد سے موسمِ صیف میں عدمِ غیبوبتِ شفق کا آغاز ہوجاتا ہے۔ ۱

۱ چنانچہ فرماتے ہیں:

الإقليم السابع بلاد البلغار: بضم الباء الموحدة وسكون اللام وفتح الغين المعجمة وألف ثم راء مهملة فى الآخر .وهم جنس معروف أيضاً .قال صاحب حماة فى تاريخه :وهم منسوبون إلى بلدان يسكنونها .وقاعدتها مدينة بلار بضم الباء الموحدة وفتح اللام وألف وراء مهملة فى الآخر .قال فى تقويم البلدان :ويقال لها بالعربى بلغار -وموقعها فى الإقليم السابع من الأقاليم السبعة، أو فى الشمال عنه .قال فى الأطوال وطولها ثمانون درجة، والعرض خمسون درجة وثلاثون دقيقة؛ وهى بلدة فى نهاية العمارة قريبة من شط نهر إتل من البر الشمالى الشرقى، وهى وصراى فى بر واحد، وبينهما فوق عشرين مرحلة، وهى فى وطاة والجبال عنها أقل من يوم؛ وأهلها مسلمون حنفية، وليس بها شىء من الفواكه ولا أشجار الفواكه لشدة بردها، والفجل الأسود فى غاية الكبر .قال السلطان عماد الدين صاحب حماة :وقد حكى لى بعض أهلها أن فى أول الصيف لا يغيب الشفق عنها ويكون ليلها فى غاية القصر .ثم قال :وهذا الذى حكاه صحيح موافقٌ لما يظهر بالأعمال الفلكية، لأن من عرض ثمانية وأربعين ونصف يبتدىء عدم غيبوبة الشفق فى أول فصل الصيف، وعرضها أكثر من ذلك، فصح ما تقدم على كل تقدير .قال فى مسالك الأبصار :وحكى لى الحسن الإربلى أن أقصر ليلها أربع ساعات ونصف، وهو غاية نقصان الليل .قال حسن الرومى :وسألت مسعوداً المؤقت بها عن هذا فقال :جربناه بالآلات الرصدية فوجدناه كذلك تحريراً .قال فى مسالك الأبصار :وقد ذكر المسعودى فى مروج الذهب أنه كان فى السرب والبلغار من قديمٍ دار إسلام ومستقر إيمان . فأما الآن فقد تبدلت بإيمانها كفراً(صبح الأعشى،الإقليم السابع بلاد البلغار ج ۲ ص ۲۰۸)

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں:

قال المؤيد صاحب حماة :وحكى لى بعض أهلها أن فى أول فصل الصيف لا يغيب الشفق عنها ويكون ليلها فى غاية القصر .ثم قال :وهذا الذى حكاه صحيحٌ موافق لما يظهر بالأعمال الفلكية، لأن من عرض ثمانية وأربعين ونصفٍ يبتدىء عدم غيبوبة الشفق فى أول فصل الصيف، وعرضها أكثر من ذلك، فصح ذلك على كل تقدير . (......وبعداسطر......)ومنها بلاد الصقالبة بفتح الصاد المهملة والقاف وألف وكسر اللام وفتح الباء الموحدة وهاء فى الآخر . ويقال لبعض بلادها بلاد سبراوير .وهى تلى بلاد أفتكون فى جهة الشمال، قال فى مسالك الأبصار :وهى بلادٌ شديدة البرد، لايفارقها الثلج مدة ستة أشهر لا يزال يسقط على جبالهم وبيوتهم، ولهذا تقل المواشى عندهم .وحكى عن الفاضل شجاع الدين :عبد الرحمن الخوارزمى الترجمان أن منها يجلب السمور والسنجاب، ثم قال :وليس بعدهم فى العمارة شىءٌ .وذكر أنه جاء جده فتيا من بعض أهلها يسأل فيها كيف تكون صلاة أهل بلدٍ لا يغيب عندهم الشفق حتى يطلع الصبح ؟ لسرعة انقضاء الليل وهذا ظاهرٌ فى أن هذه البلاد مسلمون أو فيهم المسلمون(صبح الأعشى،الجهة الثانيةما شمالى مدينة القسطنطينية وبحر نيطش إلى نهاية المعمور فى الشمال ويشتمل على عدة ممالك وبلاد، ج ۲ ص ۳۶۴)

اورفنی لحاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ ۵۰ درجہ عرض البلد کے اس علاقے میں گرمیوں کی بعض راتوں میں سورج ۱۸ درجے سے زیادہ نیچے نہیں جاتا، ۱۸ درجے پر پہنچنے کے بعد دوبارہ عود کرآتا ہے، اور صبح صادق ہوجاتی ہے، اوران راتوں کو''سفید راتوں'' کا نام دیا جاتا ہے۔ ۱

اب اہلِ بلغار تو سورج کے ۱۸ درجے پر پہنچنے کے باوجود شفق کا مشاہدہ کررہے ہیں، اورامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق عشاء کا وقت نہ پانے کی شکایت کررہے ہیں، تو اگر ۱۵ درجے پر صبح صادق طلوع اور شفقِ ابیض غروب ہوتی، تو اہلِ بلغار کے عشاء کا وقت نہ پانے کا کیا مطلب تھا؟ کیونکہ اس صورت میں

---

۱ چنانچہ''A Handbook of Astronomy''میں ہے:

At the altitude of +49o the zone so-called "white nights" begins, in which there is at the time of summer solstice an astronomical twilight lasting throughout the whole night, since the Sun is never lower than -18o. The more northerly the site of observation, the longer this period. It lasts:

From 11 June to 3 July at +49o latitude

From 21 May to 23 July at +52o latitude

From 9 May to 5 August at +55o latitude

From 29 April to 15 August at +58o latitude

The transition to the latitude zone of the white summer nights is so sharp that at +48o (Munich and Vienna) practically nothing of midnight twilight can be seen. In some years or nights the situation can deviate from the mean conditions according to the dust contents of the atmosphere.

(A Handbook of Astronomy By Gunter Dietmar Roth P.160 (1975) Springer-Verlag New York Inc).

ترجمہ: عرض بلد 49+ درجے پر "سفید راتوں" کا علاقہ شروع ہوتا ہے جن میں گرمیوں کے راُس السرطان پر آسٹرونومیکل ٹیولائٹ ساری رات باقی رہتی ہے چونکہ سورج کبھی بھی 18- درجے سے نیچے نہیں جاتا مشاہدہ کار شمال کے مزید قریب ہوتو یہ دورانیہ مزید بڑھ جاتا ہے (سفید راتوں کے دورانئے کی تفصیل کچھ یوں ہے)

11 جون سے 3 جولائی تک 49+ درجے عرض بلد پر

21 مئی سے 23 جولائی تک 52+ درجے عرض بلد پر

9 مئی سے 5 اگست تک 55+ درجے عرض بلد پر

29 اپریل سے 15 اگست تک 58+ درجے عرض بلد پر

گرمیوں کی سفید راتوں کے عرض بلد حصوں میں منتقلی اتنی واضح ہوتی ہے کہ 48+ درجے (میونخ اور ویانا) پر عملی طور پر نصف رات کی روشنی دیکھی ہی نہیں جاسکتی (لیکن صرف) کچھ سالوں یا راتوں میں یہ حالت فضا میں موجود گرد کے اعتبار سے اپنی اصلی کیفیت سے ہٹ سکتی ہے (ترجمہ ختم)

۴۹ درجے میں غالباً کسر کو حذف کیا گیا ہے، ورنہ ساڑھے ۴۸ درجے عرض البلد پر سفید راتوں کے علاقے کا آغاز ہوجاتا ہے۔

تو ان کو باتفاقِ فقہاء وقتِ عشاء حاصل تھا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ صبح صادق کا طلوع اور شفقِ ابیض کا غروب ۱۸ درجے پر ہی ہے۔ [۱]

(۲۷)......ابوالقاسم زبیر بن احمد ثقفی کا حوالہ

ابوالقاسم زبیر بن احمد ثقفی فرماتے ہیں: [۲]

وَاِنْ اَرَدْتَّ اِرْتِفَاعَ الْكَوْكَبِ لِطُلُوْعِ الْفَجْرِ فَضَعِ النَّظِيْرَ عَلٰى مُقَنْطَرَةِ ثَمَانِيَ عَشْرَةَفِيْ جِهَةِ الْمَغْرِبِ (تذكرة أولى الألباب فى استيفاء العمل بالإسطرلاب ، الباب التاسع عشر فى كيفية معرفة ارتفاعات الكواكب لمغيب الشفق ولطلوع الفجر ، كذافى ايضاح القول الحق فى مقدار انحطاط الشمس وقت طلوع الفجر وغروب الشفق ،لمحمد بن عبدالوهاب بن عبدالرزاق الاندلسى اصلا الفاسى المراكشى ص ۱۳)

ترجمہ: اور اگر آپ کوکب کا ارتفاع فجر کے طلوع کے لئے معلوم کرنا چاہیں، تو سورج کی نظیر کو مغرب کی جہت میں ۱۸ درجے مقنطرۃ پر رکھیں (ترجمہ ختم) (جاری ہے............)

---

۱ اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ’’صبح صادق‘‘ میں بلغار کا عرض البلد تقریباً ۶۳ درجے تحریر فرمایا ہے (ملاحظہ ہو: احسن الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۸۶)
مگر ہمیں کسی معتبر سند سے اس کا ثبوت نہیں ملا، اور بلغار کے ۵۰ درجہ عرض البلد ہونے کی تصریحات اوپر گزر چکی ہیں۔
اور فاضل احمد رضا خان بریلوی صاحب نے اپنے رسالہ ’’درء القبح عن درک وقت الصبح‘‘ میں علامہ سمرقندی کی ’’زیج‘‘ کے حوالہ سے بلغار کا عرضِ شمالی ساڑھے ۴۹ درجے تحریر کیا ہے، اور انہوں نے بھی بلغار کے اس جزئیہ سے صبح صادق کا ۱۸ درجے پر ہونا ثابت کیا ہے (ملاحظہ ہو: درء القبح عن درک وقت الصبح صفحہ ۱۰ تا ۱۲، تاریخِ اشاعت ۱۳۲۶ھ، گلزار عالم پریس، لاہور، ناشر: نوری کتب خانہ بازار، داتا گنج بخش، لاہور)

۲ الثقفى :أبو القاسم الزبير بن احمد بن إبراهيم بن الزبير الثقفى القاضى توفى سنة ...له تذكرة أولى الألباب فى استيفاء العمل بالإسطرلاب(هدية العارفين ج ۱ ص ۱۹۵ ، باب الزاى)

مقالات ومضامین

مفتی منظور احمد

لوگوں سے سوال کرنا

انسان کے رزق اور کاروبار میں برکت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ محنت سے کام لے، اپنے لئے سہل پسندی، تن آسانی اور دوسرے کی کمائی ہوئی دولت پر نظر رکھنے اور دوسرے کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے مکمل اجتناب کرے، کیونکہ دوسرے کے مال پر نظر رکھنا اور ان سے سوال کرنا بغیر کسی شرعی ضرورت کے شریعت کی نظر میں پسندیدہ نہیں، اس سے انسان کے مال میں جہاں بے برکتی پیدا ہوتی ہے اور اس کے فقر و افلاس میں اضافہ ہوتا ہے وہاں اس کے لئے آخرت میں بھی یہ عمل باعث ندامت و شرمندگی ہوگا۔

چنانچہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص رسی لے اور اپنی پشت پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر لائے اور اسے بیچے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اسکی عزت نفس کی حفاظت کرے یہ اسکے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے، وہ اسے دیں یا انکار کردیں (مشکوۃ المصابیح ج ا ص ۱۶۴، مکتبہ رحمانیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک انصاری نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر اپنی ضرورت کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھارے گھر میں کچھ نہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں ایک ٹاٹ ہے جس کا ایک حصہ ہم نیچے بچھاتے ہیں اور ایک حصہ اوپر اوڑھتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جسمیں ہم پانی پیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا وہ دونوں چیزیں میرے پاس لاؤ، وہ لے کر آگئے، آپ ﷺ نے ان دونوں چیزوں کو اپنے ہاتھ میں پکڑا اور فرمایا یہ کون خریدتا ہے، ایک شخص نے کہا میں ایک درہم میں لیتا ہوں، پھر آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون لے گا، ایک شخص نے کہا میں دو درہم میں لیتا ہوں۔

آپ ﷺ نے وہ اسے دے کر دو درہم لے لئے اور انصاری کو دے کر فرمایا: ایک درہم سے

غلہ خرید کر اپنے گھر دے دو اور دوسرے سے ایک کلہاڑا خرید کر میرے پاس لاؤ، وہ کلہاڑا خرید کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسمیں لکڑی کا دستہ لگا دیا پھر اس شخص سے فرمایا جاؤ لکڑیاں کاٹو اور فروخت کرو اور پندرہ دن تک میں تمھیں یہاں نہ دیکھوں۔

چنانچہ وہ شخص گئے لکڑیاں جمع کرتے اور بیچتے رہے پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو دس درہم کما چکے تھے، انہوں نے کچھ درہم سے کپڑا خریدا اور کچھ سے کھانے کی اشیاء خریدیں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تمھارے لئے اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن یہ سوال تمہارے چہرے پر ایک (رسوائی کا) نشان ہو، بیشک سوال تین آدمیوں کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں، انتہائی غربت والے کیلئے یا قرض کی زیادتی کی وجہ سے یا اس شخص کے لئے جس کے ذمہ ناقابل برداشت دیت ہو (مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۱۶۵، مکتبہ رحمانیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولا اس حال میں کہ وہ فقر و فاقہ میں بھی مبتلا نہ تھا اور اتنے اہل وعیال بھی نہ تھے کہ جن کے خرچہ کو وہ برداشت نہ کر سکتا تھا، اللہ تعالیٰ اس پر فقر و فاقہ کا دروازہ اس طرح کھول دیتے ہیں کہ اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا (المنذری عبدالعظیم بن عبدالقوی، الترغیب والترغیب، حدیث ۵۵۴، کتاب الزکاۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو فاقہ کی نوبت آئے اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کرے تو اسکا فاقہ بند نہ ہوگا، اور جس شخص کو فاقہ کی نوبت آئے اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرے تو اللہ تعالیٰ اسے روزی دیتا ہے جلدی یا تاخیر سے (حوالہ بالا، حدیث نمبر ۵۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھوکا یا حاجت مند ہو اور اس نے اپنی حاجت کو لوگوں سے چھپایا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کے لئے ایک سال حلال رزق کا دروازہ کھولے گا (حوالہ بالا، حدیث نمبر ۵۷۹)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ:

کسی نے کوئی کھانا اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہیں کھایا اور بلاشبہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے (حوالہ بالا، حدیث نمبر ۵۷۷)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مجھے اس بات کی ضمانت دے دے کہ وہ لوگوں سے کسی قسم کا سوال نہیں کریگا میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، میں نے کہا کہ میں ضمانت دیتا ہوں کہ کسی سے کسی چیز کا سوال نہیں کروں گا، (چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ) حضرت ثوبان کسی سے کسی چیز کا سوال نہیں کیا کرتے تھے۔

ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ:

آپ ﷺ نے ان کو فرمایا تھا کہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا، چنانچہ ان کے ہاتھ سے سواری کی حالت میں کوڑا اگر جاتا تو کسی سے یہ بھی نہ کہتے تھے کہ اٹھا کر مجھے پکڑا دو بلکہ خود ہی اتر کر لے لیتے تھے (حوالہ بالا، حدیث نمبر ۵۶۳)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی سے سوال کرنے کے بجائے اپنی محنت سے کام لینا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ واعتماد کرنا دنیا میں عزت اور کاروبار میں برکت واضافہ کا اور آخرت میں سرخ روئی کا باعث ہے، جبکہ لوگوں کے سامنے سوال کرنے کیلئے ہاتھ پھیلانا دنیا میں عزت نفس کو پامال کرنے، فقر وفاقہ میں اضافہ کرنے، کاروبار میں بے برکتی اور پریشانی کا سبب ہے اور آخرت میں ذلت ورسوائی کا باعث ہے۔

اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے پاس ایک دن کا خرچہ موجود ہو یا وہ تندرست ہو، اور روزانہ کا خرچہ کما کر پورا کرسکتا ہو اور کوئی ایسی ضرورت بھی درپیش نہ ہو جو سوال کیے بغیر کسی طریقے سے پوری نہیں ہوسکتی تو ایسے شخص کیلئے سوال کرنا جائز نہیں۔

ہاں اگر ایک دن کا خرچہ بھی اپنے اور اہل وعیال کے لئے نہیں نہ کمانے کی قدرت ہے اور نہ ہی کائی دوسرا ذریعہ آمدن موجود ہے تو ایسے شخص کیلئے بقدرِ ضرورت سوال کی گنجائش ہے (ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۴، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، الغزالی، احیاء علوم الدین، فضل الکسب، ج ۲ ص ۶۳، دار احیاء الکتب العربیہ)

بسلسلہ: تاریخی معلومات

مولانا طارق محمود

ماہِ رمضان: پانچویں نصف صدی کے اجمالی حالات وواقعات

□......**ماہِ رمضان ۴۰۲ھ**: میں حضرت ابوعمرو عثمان بن عیسیٰ باقلانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ (تاریخِ بغداد ج ۱۱ ص ۳۱۳)

□......**ماہِ رمضان ۴۰۴ھ**: میں حضرت ابوالفرج عبدالملک بن بکران بن عبداللہ بن علاء قطان مقری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج ۱۰ ص ۴۳۱)

□......**ماہِ رمضان ۴۰۵ھ**: میں حضرت ابوعلی حسن بن احمد بن محمد بن لیث کشی شیرازی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (طبقات الحفاظ ج ۱ ص ۸۲،تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۱۰۳۸)

□......**ماہِ رمضان ۴۰۶ھ**: میں حضرت قاضی ابوالحسن محمد بن عثمان بن حسن بن عبداللہ نصیبی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۳ص ۵۲)

□......**ماہِ رمضان ۴۰۷ھ**: میں حضرت ابوعبداللہ احمد بن محمد بن یوسف بن دوست بغدادی بزاز رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۳۲۳،تاریخِ بغداد ج۵ص ۱۲۴)

□......**ماہِ رمضان ۴۰۸ھ**: میں حضرت ابوعلی اسماعیل بن حسن بن علی بن عبّاس صیرفی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۶ ص ۳۱۲)

□......**ماہِ رمضان ۴۰۹ھ**: میں شیخ الصوفیہ حضرت ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن احمد بن بامویہ اردستانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۲۳۹)

□......**ماہِ رمضان ۴۱۰ھ**: میں حضرت ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ بن فورک بن موسیٰ بن جعفر اصبہانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۳۱۰،تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۱۰۵۱)

□......**ماہِ رمضان ۴۱۲ھ**: میں حضرت ابوالحسن محمد بن عبیداللہ بن محمد بن حجاج جبائی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۲ ص ۳۳۶)

□......**ماہِ رمضان ۴۱۳ھ**: میں شیخ الرافضہ ابوعبداللہ محمد بن محمد بن نعمان کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۳ص ۲۳۱)

□......**ماہِ رمضان ۴۱۴ھ**: میں حضرت ابوسعید محمد بن علی بن عمرو بن مہدی اصبہانی حنبلی نقاش رحمہ

Idara Ghufran

اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۳۰۸)

☐......ماہِ رمضان ۴۱۵ھ: میں حضرت ابوالحسین محمد بن حسین بن محمد بن فضل بغدادی قطان ازرق رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۳۳۲،تاریخِ بغداد ج۲ ص ۲۴۹)

☐......ماہِ رمضان ۴۱۷ھ: میں حضرت ابومسلم جعفر بن بابا جیلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
(تاریخِ بغداد ج۷ص ۲۳۵)

☐......ماہِ رمضان ۴۱۸ھ: میں حضرت مفتی ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن حسن بن منصور طبری رازی شافعی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۴۱۹،طبقات الحفاظ ج۱ ص۸۵،تذکرۃ الحفاظ ج۳ص ۱۰۸۳)

☐......ماہِ رمضان ۴۱۹ھ: میں حضرت ابوالحسین احمد بن محمد بن منصور بن عالی خراسانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۳۸۱)

☐......ماہِ رمضان ۴۲۱ھ: میں حضرت ابوبکر احمد بن ابوعلی حسن بن ابوعمرو احمد بن محمد بن احمد بن حفص بن مسلم بن یزید حرشی نیشاپوری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۳۵۸)(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج۴ص۷)

☐......ماہِ رمضان ۴۲۱ھ: میں حضرت ابوالفتح احمد بن عثمان بن برصالا بلدی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی
(تاریخِ بغداد ج۴ص ۳۰۰)

☐......ماہِ رمضان ۴۲۷ھ: میں حضرت ابویعلیٰ محمد بن حسن بن عباس مطرز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔
(تاریخِ بغداد ج۲ص ۲۱۸)

☐......ماہِ رمضان ۴۲۸ھ: میں مشہور حکیم بوعلی حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا بلخی بخاری کی وفات ہوئی، آپ ابنِ سینا کے نام سے مشہور تھے (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۳۴)

☐......ماہِ رمضان ۴۲۹ھ: میں حضرت ابوعلی حسن بن احمد بن عبداللہ بن ابراہیم اصبہانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (تاریخِ بغداد ج۷ص ۲۸۰)

☐......ماہِ رمضان ۴۳۰ھ: میں حضرت ابوعمران موسیٰ بن عیسیٰ بن ابی حاج یحج بربری فاسی مالکی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۴۶)

☐......ماہِ رمضان ۴۳۱ھ: میں حضرت ابومنصور محمد بن عیسیٰ بن عبدالعزیز بن صباح ہمذانی صوفی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص ۵۶۳)

☐......ماہِ رمضان ۴۳۳ھ: میں حضرت ابوالقاسم حسین بن بکر بن عبیداللہ بن حمد بن عبید رحمہ اللہ کا انتقال ہوا (تاریخِ بغداد ج۸ص ۲۶)

☐......ماہِ رمضان ۴۳۴ھ: میں حضرت ابوالحسن علی عبدالواحد بن محمد بن احمد بن جعفر رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۱۲ ص۴۵)

☐......ماہِ رمضان ۴۳۸ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن یحییٰ بن محمد شو کی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ (تاریخِ بغداد ج۳ص۴۳۵)

☐......ماہِ رمضان ۴۳۹ھ: میں حضرت ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن عمر بصری مالکی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج۱۱ ص۳۳۳)

☐......ماہِ رمضان ۴۴۰ھ: میں حضرت ابوبکر محمد بن عبداللہ بن احمد بن ابراہیم بن اسحاق بن زیاد اصبہانی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۵۹۶)

☐......ماہِ رمضان ۴۴۳ھ: میں حضرت ابوالقاسم عبیداللہ بن محمد بن عبیداللہ بن محمد بن قرعہ بخاری رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۱۰ ص۳۸۶)

☐......ماہِ رمضان ۴۴۴ھ: میں حضرت ابوالحسن محمد بن اسماعیل بن عمر بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن خالد بن اسحاق بن خالد بن عبدالملک بن جریر بن عبداللہ بلخی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۲ ص۵۶)

☐......ماہِ رمضان ۴۴۵ھ: میں حضرت ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد اصبہانی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(تاریخِ بغداد ج۱۰ ص۱۴۳)

☐......ماہِ رمضان ۴۴۶ھ: میں حضرت محمد بن علی بن ابراہیم بن احمد ابوطالب بن ابوالحسین بیضاوی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(تاریخِ بغداد ج۳ص۱۰۵)

☐......ماہِ رمضان ۴۴۷ھ: میں ابوعبداللہ عبدالرحیم بن حسین عادل کی وفات ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۶۶۵)

☐......ماہِ رمضان ۴۴۸ھ: میں حضرت ابومحمد عبداللہ بن ولید بن سعد بن بکر انصاری اندلسی مالکی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۷ ص۶۵۸)

☐......ماہِ رمضان ۴۴۹ھ: میں شیخ الاسلام حضرت ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن احمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن عابد بن عامر نیشاپوری صابونی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا(سیر اعلام النبلاء ج۱۸ ص۴۵)

☐......ماہِ رمضان ۴۵۰ھ: میں حضرت ابوالقاسم علی بن محمد بن محمد بن عبداللہ بیضاوی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی(طبقات الشافعیة الکبریٰ ج۵ص۲۹۲)

بسلسلہ: آدابُ المعاشرت

مفتی محمد رضوان

جانوروں کے حقوق وآداب (قسط ۹)

جانور کے گلے میں تانت باندھنے کی ممانعت

یہ پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ جانور بے چارے بے زبان مخلوق ہیں، وہ انسان کے سامنے اپنے دکھ درد کا اپنی زبان سے اظہار کرنے سے عاجز وقاصر ہیں۔

اس لئے شریعت نے جانوروں کی ہر ہر ضرورت وراحت کا لحاظ کیا ہے، اور باریک باریک باتوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔

حضرت ابوبشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهٖ ، فَأَرْسَلَ رَسُوْلًا :لَا تَبْقٰى فِيْ عُنُقِ بَعِيْرٍ قِلَادَةٌ مِّنْ وَتَرٍ إِلَّا قُطِعَتْ . (مصنف ابنِ ابی شیبة، حدیث نمبر ۳۴۱۸۲، کتاب السیر، باب فِی النَّهِی عَنْ تَقْلِیدِ الإِبلِ الأَوْتَارَ. واللفظ لهٗ، السنن الکبریٰ للنسائی، حدیث نمبر ۸۸۰۸،، صحیح ابنِ حبان، حدیث نمبر ۴۶۹۸، بخاری، حدیث نمبر ۲۷۸۳، کتاب الجهاد والسیر، باب ما قیل فی الجرس ونحوه فی أعناق الإبل، مسلم حدیث نمبر ۵۶۷۱)

ترجمہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قاصد کو بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا قلادہ بندھا ہوا نہ چھوڑا جائے، اور اس کو کاٹ دیا جائے (ترجمہ ختم)

بعض اہلِ علم نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں بدنظری سے بچنے کے لئے ایسا کیا جاتا تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ٹوٹکے سے منع فرمایا۔

لیکن ہمارے فقہائے کرام نے فرمایا کہ تانت کی رسی سے جانور کی کھال کو نقصان پہنچتا ہے، اور اس کے گلا گھٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اس وجہ سے گلے میں تانت باندھنے سے منع فرمایا۔

Idara Ghufran

البتہ اس کے مقابلہ میں پٹے میں اس طرح کا اندیشہ نہیں، اس لئے پٹہ ڈالنے کی اجازت بیان فرمائی۔ [1]

ظاہر ہے کہ اس قسم کی تعلیمات اسلام کے علاوہ دنیا کے کسی مذہب اور قانون میں نہیں پائی جاتیں، جو کہ اسلام کی حقانیت کی دلیل ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ جانور کے گلے میں تنگ رسی باندھتے ہیں، جس سے اس کا گلا گھُٹنے لگتا ہے، یا اس طرح کی رسی باندھتے ہیں، جس سے جانور کو بے جا تکلیف ہوتی ہے، یہ سخت گناہ ہے۔

جانور کے چہرے پر مارنے اور داغ دینے کی ممانعت

پہلے گزر چکا ہے کہ بلاضرورت جانور کو مارنا پیٹنا یہاں تک کہ ڈرانا اور دھمکانا منع اور گناہ ہے، البتہ جانور کی تادیب وتربیت اور اس کو سدھارنے کی غرض سے بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت اعتدال کے درجہ میں رہتے ہوئے تنبیہ کرنے اور مارنے کی اجازت ہے، لیکن اس صورت میں بھی جانور کے منہ پر مارنے کی اجازت نہیں، کیونکہ چہرہ تمام اعضاء میں اشرف عضو ہے، اور آنکھ، ناک، زبان، اور کان جیسے اہم اور نازک اعضاء بھی اس عضو کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور اسی وجہ سے جانور کے چہرے پر مارنے کے علاوہ ایسا نشان ڈالنے سے بھی منع کیا گیا، جس سے چہرے کی شرافت اور نزاکت متاثر ہو۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قَالَ أَبُو جعْفرٍ :فَتَأَمَّلْنَا حَدِيثَ جَابِرٍ الَّذِى ذَكَرْنَاهُ فِى أَوَّلِ هَذَا الْبَابِ فَوَجَدْنَا فِيهِ أَمْرَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِتَقْلِيدِ الْخَيْلِ بِقَوْلِهِ وَقَلِّدُوهَا فَكَانَ ذَلِكَ مَعْقُولًا أَنَّهُ أَرَادَ التَّقْلِيدَ الَّذِى يَفْعَلُهُ النَّاسُ ، وَهُوَ تَقْلِيدُ الْخَيْلِ فِى أَعْنَاقِهَا ثُمَّ أَتْبَعَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ وَلَا تُقَلِّدُوهَا الْأَوْتَارَ فَانْتَفَى بِذَلِكَ أَنْ يَكُونَ أَرَادَ التِّرَاتَ وَثَبَتَ بِهِ أَنَّ مَا يُقَلِّدُهُ فِى أَعْنَاقِهَا مِمَّا أُمِرَ بِتَقْلِيدِهَا إِيَّاهُ هُوَ مَا لَا يُخَافُ عَلَيْهَا مِنْهُ كَمَا يُخَافُ عَلَيْهَا مِنْ الْأَوْتَارِ إِذَا قُلِّدَ بِهَا فَبَانَ بِذَلِكَ صِحَّةُ مَا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِى تَأْوِيلِهِ هَذَا الْمَعْنَى وَاَللَّهَ نَسْأَلُهُ التَّوْفِيقَ (مشكل الآثار،باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من نهيه عن تقليد الخيل الأوتار)

مالك أرى ذلك من العين بضم الهمزة أى أظن أن النهى مختص بمن فعل ذلك بسبب دفع ضرر العين وأما من فعله لغير ذلك من زينة أو غيرها فلا بأس قال أبو عبيدة كانوا يقلدون البعير الأوتار حذرا من العين فأمرهم صلی اللہ علیہ وسلم بإزالتها إعلاما لهم أن الأوتار لا ترد شيئا وقال محمد بن الحسن وغيره معناه لا تقلدوها أوتار القسى لئلا تضيق على أعناقها فتخنقها (الديباج على مسلم ،الجزء الخامس ص ۱۵۴)

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -عَنِ الضَّرْبِ فِى الْوَجْهِ وَعَنِ الْوَسْمِ فِى الْوَجْهِ (صحيح مسلم حديث نمبر ۵۶۷۲،كتاب اللباس والزينة،باب النهى عن ضرب الحيوان فى وجهه ووسمه فيه، واللفظ لهٗ، ترمذى،بَاب مَا جَاءَ فِى كَرَاهِيَةِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ وَالضَّرْبِ وَالْوَسْمِ فِى الْوَجْهِ،مسند أحمد ،مصنف ابن ابى شيبة)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے اور چہرے پر داغ دینے سے منع فرمایا ہے (ترجمہ ختم)

اورحضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِىَّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -مَرَّ عَلَيْهِ حِمَارٌ قَدْ وُسِمَ فِىْ وَجْهِهٖ فَقَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِىْ وَسَمَهٗ (صحيح مسلم حديث نمبر ۵۶۷۴،كتاب اللباس والزينة،باب النهى عن ضرب الحيوان فى وجهه ووسمه فيه)

ترجمہ: نبی ﷺ کے پاس سے ایک گدھا گزرا، جس کے چہرے پر داغ دیا ہوا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اس پر جس نے یہ داغ دیا ہے (ترجمہ ختم)

اورابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

أَنَّ النَّبِىَّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -مُرَّ عَلَيْهِ بِحِمَارٍ قَدْ وُسِمَ فِىْ وَجْهِهٖ فَقَالَ أَمَا بَلَغَكُمْ أَنِّىْ قَدْ لَعَنْتُ مَنْ وَسَمَ الْبَهِيْمَةَ فِىْ وَجْهِهَا أَوْ ضَرَبَهَا فِىْ وَجْهِهَا . فَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ (سنن أبى داود،حديث نمبر ۲۵۶۶،كتاب الجهاد،باب النهى عن الوسم فى الوجه والضرب فى الوجه)

ترجمہ: نبی ﷺ کے قریب سے ایک گدھے کا گزر ہوا، جس کے چہرے پر داغ دیا ہوا تھا، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات نہیں پہنچی، کہ میں نے اس شخص پر لعنت کی ہے، جو جانور کے چہرے پر داغ دے، یا اس کے چہرے پر مارے، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا (ترجمہ ختم)

اورحضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَلَا يَرْكَبُ الدَّابَّةُ فَوْقَ اِثْنَيْنِ وَلَا تَضْرِبُوْا وُجُوْهَ الدَّوَابِّ فَاِنَّ كُلَّ شَىْءٍ يُسَبِّحُ

بِحَمُدِہٖ (المعجم الاوسط للطبرانی حدیث نمبر ۴۸۵۲) ۱؎

ترجمہ: اور جانور پر دو سے زیادہ افراد سوار نہ ہوں، اور تم جانوروں کے چہرے پر نہ مارو، کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کی تسبیح بیان کرتی ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث میں چہرے پر مارنے کی ممانعت کی ایک وجہ بھی بیان کردی گئی کہ چہرہ وہ عضو ہے، جس سے جانور اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرتا ہے، اس لئے وہ عضو قابلِ شرافت ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

لَا یُلُطَمُ الُوَجُهُ ، وَلَا یُوسَمُ .(مصنف ابنِ ابی شیبة ، حدیث نمبر ۲۰۲۹۴، کتاب الصید، باب فِی وَسُمِ الدَّابَّةِ وَمَا ذَکَرُوا فِیهِ.)

ترجمہ: چہرے پر نہ تو طمانچہ مارا جائے، اور نہ ہی داغ دیا جائے (ترجمہ ختم)

اور حضرت سالم فرماتے ہیں کہ:

عَنِ ابُنِ عُمَرَ أَنَّهُ کَرِهَ أَنُ تُعُلَمَ الصُّورَةُ (بخاری ، حدیث نمبر ۵۱۱۵، کتاب الذبائح والصید، باب الوسم والعلم فی الصورة ،مصنف ابنِ ابی شیبة ،حدیث نمبر ۲۰۲۹۰)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے چہرے پر نشان کو ناپسند فرمایا (ترجمہ ختم)

اس سے مراد ایسا نشان ہے، جس سے چہرے کی شرافت ونزاکت متأثر ہو، خواہ اس سے جانور کو تکلیف پہنچے یا نہ پہنچے۔

پس جو لوگ جانور کے چہرے کو رنگ وغیرہ سے بدنما بنا کر اس کا استہزاء کرتے اور تماشا بناتے ہیں، یہ بھی سخت گناہ ہے۔ ۲؎

۱؎ قال الهیثمی:

رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیه محمد بن جامع العطار وهو ضعیف(مجمع الزوائد ج۸ص۱۰۵)

قلت: وله شاهد .محمد رضوان.

۲؎ أی هذا باب فی بیان حکم الوسم بفتح الواو وسکون السین المهملة وقیل بالمعجمة ومعناهما واحد وهو أن یعلم الشیء بشیء یؤثر فیه تأثیرا بلیغا یقال وسمه إذا أثر فیه بعلامة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اور جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُكْرَهُ أَنْ تُوسَمَ الْعَجْمَاءُ عَلٰى خَدِّهَا ، أَوْ تُلْطَمَ ، أَوْ تُجَرَّ بِرِجْلِهَا إِلٰى مَذْبَحِهَا (مصنف ابنِ ابی شیبۃ حدیث نمبر ۲۰۲۹۶، کتاب الصید ، باب فِی وَسْمِ الدَّابَّةِ وَمَا ذَكَرُوا فِيهِ.)

ترجمہ: جانور کے رخسار پر داغ دینا یا طمانچہ مارنا، یا جانور کو ذبح کی جگہ اس کے پیر سے کھینچنا مکروہ ہے (ترجمہ ختم)

بلاضرورت جانور کو مارنا پیٹنا، اور تکلیف وایذاء پہنچانا، اور اس کو مثلہ بنانا، یہ سب چیزیں ویسے بھی منع ہیں، اور داغ دینے میں جانور کو تکلیف ہونا ظاہر ہے، اور چہرہ کیونکہ جسم کے اعضاء میں زیادہ شرافت وعظمت والا عضو ہے، اس لئے اس کا بطورِ خاص ذکر کیا گیا۔

البتہ اگر جانور کو تنبیہ کے لئے مارنے کی ضرورت ہو، تو اس کو چہرے کے علاوہ دوسری جگہ مارنا جائز ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكية وأصل ذلك أن يجعل في البهيمة ليميزها عن غيرها وقيل الوسم بالمهملة في الوجه وبالمعجمة في سائر الجسد فعلى هذا الصواب بالمهملة لقوله في الصورة قوله والعلم بفتحتين بمعنى العلامة وفي بعض النسخ باب العلم والوسم قال ابن الأثير يقال وسمه يسمه وسما وسمة إذا أثر فيه بالكي ومنه الحديث أنه كان يسم إبل الصدقة أي يعلم عليها بالكي انتهى قلت إذا كان الوسم بالكي يكون عطف العلم على الوسم من عطف العام على الخاص لأن العلامة أعم من أن تكون بالكي وغيره وأما على النسخة التي قدم العلم على الوسم فيها يكون عطف الوسم على العلم عطفا تفسيريا قوله في الصورة صفة للعلم أي العلم الكائن في الصورة ويروى في الصور على صيغة جمع الصورة وقال الكرماني قيل المراد بالصورة الوجه كما يعمل الكي في صور سودان الحبشة وكما يغرز بالإبرة في الشفة وغيرها ويحشى بنيلة ونحوها وأبهم الحكم في الترجمة اكتفاء بما في الحديث على عادته هكذا في غالب التراجم(......وبعد اسطر......)وفي (التوضيح) الوسم في الصورة مكروه عند العلماء كما قاله ابن بطال وعندنا أنه حرام وفي أفراد مسلم من حديث جابر أنه مر على حمار قد وسم في وجهه فقال لعن الله الذي وسمه وإنما كرهوه لشرف الوجه وحصول الشين فيه وتغيير خلق الله وأما الوسم في غير الوجه للعلامة والمنفعة بذلك فلا بأس إذا كان يسيرا غير شائن ألا ترى أنه يجوز في الضحايا وغيرها والدليل على أنه لا يجوز الشائن من ذلك أنه حكم على أن من شان عبده أو مثل به باستئصال أنف أو أذن أو جارحة عتقه عليه وأن يعتق إن جرحه أو يشق أذنه وقد وسم الشارع إبل الأضحية وقد تقدم وسم البهائم في باب وسم الإمام إبل الصدقة في كتاب الزكاة(عمدة القاري ، كتاب الذبائح والصيد، باب الوسم والعلم في الصورة)

جبکہ اعتدال کے ساتھ ہو۔ ؎۱

اسی طرح اگر کسی بیماری کے علاج کے لئے داغ کی ضرورت ہو، تو اس کی بقدرِ ضرورت اجازت ہے، اسی طرح جانور کی نشانی وعلامت کے لئے بھی بقدرِ ضرورت نشانی وعلامت قائم کرنے کی اجازت ہے، مگر یہ ضرورت چہرے کے علاوہ دوسرے حصہ سے بھی پوری ہوسکتی ہے، اس لئے حتی الامکان چہرے پر داغ ونشانی سے بچنا چاہئے، بالخصوص جبکہ چہرہ پر اس عمل سے جانور کی شکل وصورت بھی بگڑ جاتی ہے۔ ؎۲

مگر ہم اس موقع پر بھی افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ بہت سے لوگ جانوروں کو خاص منہ پر مار کر ہی تسکین پاتے ہیں، اور ڈنڈے اور لاٹھی وغیرہ سے جانور کے چہرے پر ضرب لگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائیں (ماخوذ از ''جانوروں کے حقوق وآداب'' ص۸۳تا۸۹، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی) (جاری ہے......)

؎۱ قال أبو بکر : فی أخبار جابر فی قصة البعیر الذی ابتاعه النبی ﷺ قال : أعیا جملی فنخسه النبی ﷺ بقضیب أو ضربه .دلالة علی أن ضرب الدواب علی غیر الوجه مباح ، خرجت تلک الأخبار فی کتاب البیوع (صحیح ابن خزیمة، تحت حدیث رقم ۲۳۴۹)

؎۲ وقال بعضهم وفی حدیث الباب حجة علی من کره الوسم من الحنفیة بالمیسم لدخوله فی عموم النهی عن المثلة وقد ثبت ذلک من فعل النبی فدل علی أنه مخصوص من العموم المذکور للحاجة کالختان فی الآدمی قلت ذکر أصحابنا فی کتبهم لا بأس بکی البهائم للعلامة لأن فیه منفعة وکذا لا بأس بکی الصبیان إذا کان لداء أصابهم لأن ذاک مداواة(عمدة القاری ،کتاب الزکاة، باب وسم الإمام إبل الصدقة بیده)

وقال النووی الضرب فی الوجه منهی عنه فی کل حیوان محترم لکنه فی الآدمی أشد لأنه مجمع المحاسن وربما شانه أو آذی بعض حواسه وأما الوسم ففی الآدمی حرام وفی غیره مکروه والوسم هو أثر الکی قال الکرمانی والوسم فی نحو نعم الصدقة فی غیر الوجه مستحب وقال أبو حنیفة مکروه لأنه تعذیب ومثلة وقد نهی عنهما وأجیب عنه بأن ذلک النهی عام وحدیث الوسم خاص فوجب تقدیمه قلت إذا علم تقارنهما یقضی للخاص علی العام وإلا فلا(عمدة القاری، کتاب الذبائح والصید، باب الوسم والعلم فی الصورة ، تحت حدیث رقم ۵۲۵۵)

علم کے مینار مفتی محمد امجد حسین

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

سرگذشت عہدِ گل (قسط۳۶)

(سوانح حضرت اقدس مفتی محمد رضوان صاحب دامت فیوضہم)

عوام وخواص میں محبوبیت، حسنِ قبولیت ومرجعیت

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور مقربینِ بارگاہِ صمدیت کو جو مخصوص اعزازات وانعامات آخرت کے علاوہ خود اس دنیائے فانی اور حیاتِ دنیوی میں بھی عطا فرماتے ہیں، ان میں ایک وہ انعام ہے، جس کا وعدہ سورہ مریم کی اس آیت میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (سورة مريم آيت ۹۶)

یعنی بلاشبہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، خدائے رحمان ان کے لئے (مخلوق کے) دلوں میں محبت پیدا کردے گا۔ [۱]

---

[۱] صحیحین کی ایک حدیث میں اس محبوبیت عامہ کی تفصیل یوں آئی ہیں:

إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ الْعَبْدَ نَادٰى جِبْرِيلَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ (بخاری حديث نمبر ۲۹۷۰، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة)

کہ جب اللہ تعالیٰ کسی اپنے بندے سے محبت فرماتے ہیں، تو حضرت جبریل کو ندا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اس سے محبت کرو، تو حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آسمان والوں میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتے ہیں، پس تم بھی اسے محبوب رکھو، تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں اس بندے کی قبولیت ومقبولیت رکھ دی جاتی ہیں۔

اس مذکورہ آیت کی تفسیر میں تفسیر بیان القرآن میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس کا نعمت ہونا بلکہ اعظم نعمت ہونا ظاہر ہے، کیونکہ مغزنعمت کا راحت اور امن ہے، اور ظاہر ہے کہ محبوبیت اس کے اعظم اسباب میں سے ہے، اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے کسی کو بغض نہ ہوگا، بلکہ مقصود قرآن وحدیث کا یہ ہے کہ عام خلائق جن کا نہ کوئی نفع اس مومن سے وابستہ ہے، نہ کوئی ضرر، وہ اس سے محبت کرتے ہیں، چنانچہ مشاہدہ ہے اور اہلِ انتفاع کا محبت کرنا جیسا کہ نفع رساں کفار سے بھی لوگوں کو محبت ہوتی ہے، یا اہل تضرر کا بغض کرنا، جیسا کہ ظالموں کو مسلمانوں سے ہوتا ہے، قابلِ اعتبار نہیں، کیونکہ درحقیقت وہ محبت اور بغض اپنے نفع اور ضرر سے ہے، اگر دونوں سے قطع نظر کی جاوے، اس وقت مومن کی صفات میں اثر یہ ہے کہ اس سے عام قلوب کا استجلاب (کشش) ہوتا ہے (بیان القرآن ۷/ ۱۸)

Idara Ghufran

بحمد اللہ یہ خداداد نعمت بحظِ وافر آپ کو عطا ہوئی ہے، باوجودیکہ آپ شہرت اور نام ونمود اور تکلف ونمائش سے دور رہ کر زندگی گزارتے ہیں، اوران چیزوں سے یکسو رہ کر پوری تندہی کے ساتھ ہمہ تن، علمی، تحقیقی، اصلاحی اور دعوتی کاموں میں مشغول ہیں، عوامی شہرت کی مروج صورتوں (عمومی اسفار، دورے، جلسوں جلوسوں میں شرکت، سیاسی ودینی تحریکات میں شمولیت، مختلف اسٹیجوں اور تقاریب میں آمدوغیرہ) سے بالقصد گریزاں ومجتنب ہیں، لیکن بایں ہمہ امورِ دین میں عوام وخواص میں بہت کچھ مرجعیت وحسنِ قبول اور محبوبیت منجانب اللہ آپ کو عطا ہوئی ہے، آپ کی عملی زندگی اور دینی وعلمی خدمات کا آغاز ۱۴۱۳ھ میں ہوا، عملی زندگی کے ابتدائی چند سالوں میں ہی حسنِ قبول ومحبوبیت کی یہ نعمتِ خداداد آپ کو حاصل ہونی شروع ہوگئی، جو بحمد اللہ تعالیٰ بتدریج بڑھتی گئی، اور روزافزوں بڑھتی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ سب بلاؤں سے آپ کی حفاظت فرمائے، بالخصوص محسود الاقران ہونے اور معاصرت کے ابتلاء سے۔ ؎

ہر کہ ترسد از حق وتقویٰ گزید ترسد ازوے جن وانس وہر کہ دید

آپ سے ملاقات کرنے والا اور علمی ودینی استفادہ کرنے والا عموماً ایک ملاقات اور ایک ہی مجلس میں آپ کا گرویدہ ہوجاتا ہے، آپ مجلس وہم نشینی اور مصاحبت کے آداب کی رعایت فرماتے ہیں، تضیع اوقات سے مجتنب رہتے ہیں، اپنے معمولات پر مواظبت رکھتے ہیں، آپ سے ملنے والا آپ سے مل کر بشاشت، خوش خلقی، شگفتہ روئی، بذلہ سنجی، خندہ پیشانی، اور خوش گفتاری وحسنِ کلام کی سوغات لے کر جاتا ہے، جو تسخیرِ قلوب کے لئے اکسیر ہے۔

سلوک وطریقت کے شعبہ میں آپ کا ذوق ومزاج

اللہ تعالیٰ آپ سے علمی کاموں کے ساتھ تزکیہ نفوس اور اصلاح وارشاد کا کام بھی سنت کے مطابق لے رہے ہیں، باوجودیکہ مخدومیت، مسند نشینی، جبہ ودستار، اور دیگر امورِ مروجہ جو لوازم مشیخت سمجھے جاتے ہیں، ان سے آپ کوسوں دور، نفور ومفرور لیکن تکلف وبناوٹ سے خالی اپنی اس سادہ حالی پہ فرحاں ومسرور ہیں۔ ع

عشق کارے است کہ بے آہ وفغاں نیز کنند

تکلف سے بری ہے حسن ذاتی قبائے گل پہ گل بوٹا کہاں ہے

آپ کے والد ماجد اور خصوصاً دادا بزرگوار، جنہوں نے بچپن میں آپ کی تربیت کی، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے صحبت یافتہ اوران کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ان کی تربیت کا اثر، مجموعی اصلاحی ماحول،

اور دینی فضا جس میں پلے بڑھے، اور پھر حضرت مسیح الامت جلال آبادی رحمہ اللہ کی تربیت اور خلوت وجلوت میں حضرت جلال آبادی رحمہ اللہ کی عرصہ تک خدمت کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے، اور اس عرصہ میں حضرت کے ہم نوالہ وہم پیالہ ہونے کا بھی شرف حاصل رہا، اور اس تمام عرصہ میں حضرت کے فیضانِ نظر، توجہات اور دعاؤں کی دولت سمیٹی۔

ان مراحل وسلاسل سے گزر کر، تعلیم وتربیت کے مدارج طے کر کے اور اس مخصوص ماحول میں پروان چڑھ کر آپ پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی تعلیمات اور آپ کے ذوق ومزاج کا وہ رنگ چڑھا، جو ایک مومن ومسلمان سے شرعاً مطلوب ہے، اور ''صبغۃ اللہ'' کا مصداق ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۳۸)

بحمداللہ اسی رنگ کے آثار اور اس ذوق ومزاج کے ثمرات حضرت جی کی پوری زندگی میں، دین کے سب شعبوں میں اور علمی وعملی سب میدانوں میں ظاہر ونشر ہو رہے ہیں۔

سلوک وطریقت اور تزکیۂ باطن کے شعبہ میں آپ اسی ذوق کے حامل ہیں، جس کا حاصل حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے الفاظ بابرکات میں یہ ہے:

۱......: میں ایک خشک طالب علم ہوں، اس زمانہ میں جن چیزوں کو درویشی کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے، جیسے محفلِ میلاد، عرس، گیارہویں، نیاز، فاتحہ، قوالی ومثل ذالک، میں ان سب سے محروم ہوں، اور اپنے دوستوں کو بھی اس خشک طریقہ پر رکھنا پسند کرتا ہوں۔

۲......: میں نہ صاحبِ کشف ہوں، نہ صاحبِ کرامت، نہ صاحبِ تصرف، نہ عامل، پس اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام پر مطلع کرتا ہوں۔

۳......: اپنے دوستوں سے کسی قسم کا تکلف نہیں کرتا، نہ اپنی حالت چھپاتا ہوں، نہ اپنی کوئی تعلیم، نہ کوئی مشورہ امورِ دینیہ کا، پھر عمل کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرتا، عمل کرتا ہوا دیکھ کر خوش اور عمل سے دور دیکھ کر رنجیدہ ہوتا ہوں۔

۴......: میں کسی سے نہ کوئی فرمائش کرتا ہوں، نہ کسی کی سفارش، اسی لئے بعض اہل الرائے مجھ کو خشک مزاج کہتے ہیں، میرا مذاق یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی رعایت سے کوئی اذیت نہ دوں، خواہ لفظی ہی اذیت ہو۔ ﴿بقیہ صفحہ ۴۷ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تذکرۂ اولیاء　　　　　　　　　　　　مفتی محمد امجد حسین

اولیاء کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

تذکرہ مولانا رومی کا (قسط ۲)

انقلابِ حالت یعنی مولانا رومی کی زندگی کا دوسرا دور

دمشق سے قونیہ واپس آ کر آپ دینی علمی اور تعلیمی مشاغل میں ہمہ تن منہمک ومشغول ہوگئے تھے، پانچ سال کے عرصہ تک مولانا انہی علمی اشغال میں مشغول رہے، جن کی نوعیت یہ تھی کہ درس وتدریس، وعظ وتذکیر اور فتاویٰ نویسی ان سب معمولات کو مولانا پوری مضبوطی اور اہتمام سے نبھاتے رہے، تا آنکہ ۶۴۲ھ میں مولانا کی زندگی کا وہ غیر معمولی واقعہ پیش آیا، جس نے اس مولوی جلال قونوی کو لازوال، سدا بہار، منتخب زمانہ اور یگانہ روزگار، مولائے رومی بنادیا، قتیل تیغ معرفت، محبوب بارگاہِ صمدیت، امام العاشقاں رومی، اللہ کی راہ پر چلنے والے انسانی قافلوں، عشقِ حقیقی اور معرفتِ ربانی کی منزلیں طے کرنے والے راہوؤں کو اپنی شہرہ آفاق مثنوی کے ذریعے نشانِ منزل کا پتہ دینے والے باخبر رومی۔

یہ واقعہ مولانا کی شمس تبریز سے ملاقات اور ان کی ذات سے آپ کو والہانہ تعلق وشیفتگی اور فنائیت کی صورت میں پیش آیا۔ ؎　مولوی ہرگز نہ شود مولائے روم　　تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

شمس تبریزی کا کچھ مختصر حال

شمس تبریزی کا نام محمد بن علی تھا، آپ بچپن سے اعلیٰ استعداد اور جذبہ عشق ومحبت کے حامل تھے، ’’مناقب العارفین‘‘ میں منقول ہے، کہ ابھی سنِ بلوغ تک نہ پہنچے تھے، کہ آنحضرت ﷺ کے عشق میں کئی کئی روز فاقے سے رہتے، غذا اور خوراک کی آپ کو خواہش پیدا نہ ہوتی، ظاہری علومِ شریعت بھی آپ نے حاصل کیے، پھر اس کے بعد باطنی استفادہ اور اصلاح وتزکیہ کی طرف متوجہ ہوئے، مختلف بزرگوں کے نام لئے گئے ہیں، جن سے آپ نے فیضِ باطنی کے سلسلہ میں کسبِ فیض کیا، مثلاً بابا کمال الدین جندی، شیخ ابوبکر سلہ باف، شیخ زین سنجاسی رحمہم اللہ، ممکن ہے مختلف اوقات میں ان سب سے کسبِ فیض کیا ہو۔

ایسی حالت آپ کی ہوگئی تھی کہ کسی چیز سے مطلب نہیں رکھتے تھے، روحانی حقائق واحوال سے کسی طرح

Iqra Ghufran

سیری نہ ہوتی، زمانے کے لوگوں میں سے کسی کو اپنی صحبت کا متحمل نہ پاتے، مردانِ خدا، خاصانِ خدا (شائد اصحابِ تکوین) کو پانے، ان کے احوال ومقامات سے تسکین حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ سفر وسیاحت میں رہتے، دنیا جہاں میں گھومتے، گمنامی کی حالت بنائی ہوئی تھی، فقیرانہ حلیہ میں رہتے، جہاں جاتے عام سرایوں اور مسافر خانوں میں قیام کرتے، اور اپنے مقصد کی تلاش وجستجو میں مشغول رہتے، معاش کا بہت معمولی سلسلہ اپنی گزران (گزر اوقات) کے لئے رکھا تھا، ازار بند (ناڑے) بنا کر بیچتے، اور حاصل ہونے والی معمولی رقم سے کام چلاتے، خوراک کا یہ حال تھا کہ دورانِ سیاحت دمشق میں ایک برس رہے، تو ہفتہ بھر میں سری کے شوربے کا ایک پیالہ (جس میں گھی تک نہ ہوتا) نوش فرماتے، کثرتِ اسفار کی وجہ سے جاننے والے آپ کو شمس پرندہ، کہتے، تبریز، روم، دمشق، بغداد، اردن کے اسفار پر رہتے، زمانے میں کسی کو اپنا ہم ذوق اور اپنی صحبت کا متحمل جب نہ پاتے، تو یہ دعا اکثر کیا کرتے کہ خدایا! کوئی رفیق ایسا عطا کر کہ جو میری صحبت کا متحمل ہو، میں اپنے سینے کی امانت، باطن کی دولت، معرفت کا خزانہ، عشقِ حقیقی کی آنچ اس کو منتقل کرسکوں (کوئی ایک ہی مل جائے) ؎

مجھے کچھ کہنا ہے اپنی زبان میں　　　کوئی ملتا نہیں جہاں میں

کس نداند چنداَند　　　رند بمیخانہ چنداَند؟

برنقد ونسیۂ دوعالم خنداَند

اسی اثناء میں شمس تبریزی کو اشارہ غیبی (غالبًا بواسطہ مرشد) ملا کہ روم جاؤ، وہاں ایک دل سوختہ ہے، اسے روشن کر آؤ، شمس تبریزی کی اپنے جانشین اور اپنے علوم کے راز دار کے حصول کے لئے بے قراری اور منجانب اللہ مولانا رومی کے انتخاب کا حال ذرا بزبانِ اختر سنو:

قصہ مولانائے روم کا سنو	❁	درس دیتے تھے کبھی یہ دوستو
بے خبر از حال ملک نیم شب	❁	علمِ ظاہر سے شغف تھا روز وشب
درس ان کا شہرہ آفاق تھا	❁	اہلِ باطن سے تعلق شاق تھا
علم کا پندار اہلِ علم کو	❁	رکھتا ہے محروم حق سے دوستو
علم کا حاصل ہے بس عشقِ خدا	❁	آہ سب دھوکہ ہے بس اس کے سوا
فضل لیکن جس پہ ہو اللہ کا	❁	اِک نہ اِک دن ہوگا وہ اللہ کا

مولوی رومی پہ تھا فضلِ خدا	غیب سے امداد کا سامان ہوا
کام سب کا فضل سے ہوتا ہے آہ!	بے کرم کبھی بھی نہیں ہوتا ہے آہ!
گر نہ ہو بر بندگاں فضل نہاں	کوئی جان واصل ہو کب تا شاہِ جہاں
غیب سے سامان رومی کا ہوا	شمس تبریزی نے کی حق سے دعا
اے خدا جو آگ میرے دل میں ہے	جو تڑپ اس نیم جاں بسمل میں ہے
آتشِ حق جو میرے سینہ میں ہے	از عطا جو کچھ بھی گنجینہ میں ہے
اے خدا ملتا کوئی بندہ مجھے	جو صحیح معنوں میں ہو لائق تیرے
عشقِ حقیقی سے اس کا سینہ پُر کروں	اور صدف کو اس کے میں پُر دُر کروں
میری آتش کا تحمل جو کرے	کوئی بندہ مجھ کو اب ایسا ملے
وقت رخصت کا ہے اب میرا قریب	کس کو سونپوں یہ امانت اے حبیب
پس اچانک غیب سے آئی صدا	شمس تبریز تو فوراً روم جا
مولوی رومی کو کر مولائے روم	اس کو کر فارغ تو از غوغائے روم

(جاری ہے..........)

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۴۴ ''سرگذشت عہدِ گل''﴾

۵......: سب سے زیادہ اہتمام مجھ کو اپنے لئے اور اپنے دوستوں کے لئے اس امر کا ہے، کہ کسی کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائی جائے، خواہ بدنی ہو، جیسے مار پیٹ، خواہ مالی ہو، جیسے کسی کا حق مار لینا یا ناحق کوئی چیز لینا، خواہ آبرو کے متعلق ہو، جیسے کسی کی تحقیر، کسی کی غیبت، خواہ اذیت نفسانی ہو جیسے کسی کو کسی تشویش میں ڈال دینا، یا کوئی ناگوار و رنج دہ معاملہ کرنا، اور اگر غلطی سے کوئی بات ایسی ہو جائے، تو معافی چاہنے سے عار نہ کرنا۔

۶......: نمبر ۵ کا مجھ کو اس قدر اہتمام ہے کہ کسی کی وضع کو خلافِ شرع دیکھ کر صرف شکایت ہوتی ہے، مگر نمبر ۵ کی کوتاہی دیکھ کر بے حد صدمہ ہوتا ہے، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے (اشرف السوانح، حصہ دوم ص ۱۷۸، ۱۷۹، بحوالہ مآثر حکیم الامت رحمہ اللہ ص ۱۴۸، ۱۴۹)

(جاری ہے..........)

Idara Ghufran

پیارے بچو!

مفتی محمد رضوان

لڑاکا بھائی اور عقلمند باپ

پیارے بچو! ایک آدمی کے چار بیٹے تھے، بیٹے جوان ہو گئے اور باپ بوڑھا ہو گیا، یہ چاروں بیٹے ایک دوسرے سے بہت لڑتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا اور رہنا سہنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

باپ ان سب بیٹوں کو سمجھاتا کہ دیکھو آپس میں لڑنا جھگڑنا اور نااتفاقی رکھنا اچھی بات نہیں، اس سے تم کمزور ہو جاؤ گے، لوگ تمہیں نقصان پہنچائیں گے، اور اگر ایک ساتھ مل کر رہو گے اور لڑائی جھگڑا نہیں کرو گے تو تم مضبوط اور طاقت ور رہو گے اور لوگ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

مگر بیٹوں کو یہ بات کسی طرح سمجھ نہیں آتی تھی، اور وہ لڑنا جھگڑنا نہیں چھوڑتے تھے، اور آپس میں لڑنے جھگڑنے کی وجہ سے کافی نقصان بھی اٹھاتے تھے۔

باپ نے اپنے ان چاروں بیٹوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن ان کو کسی طرح باپ کی بات سمجھ نہیں آئی، جب باپ بہت بوڑھا اور بیمار ہو گیا اور اسے ڈر ہوا کہ اگر میں اسی حال میں فوت ہو گیا اور میرے یہ بیٹے آپس میں لڑتے ہی رہے تو میرے بعد میرے مال اور جائیداد اور زمین کے بارے میں بھی لڑیں جھگڑیں گے اور نقصان اٹھائیں گے اور ان کے لڑنے جھگڑنے کی وجہ سے اس مال پر دوسرے لوگ قبضہ کر لیں گے، یا لڑنے جھگڑنے میں ہی سارا مال خرچ ہو جائے گا۔

ایک دن لیٹے لیٹے باپ کو خیال آیا کہ اپنے سب بیٹوں کو بہانے سے جمع کرے اور ایک تدبیر کر کے انہیں سمجھائے۔ یہ سوچ کر اس نے کسی سے ایک لمبا دھاگا منگوایا اور اس کو کئی ٹکڑے کر کے سارے دھاگوں کو ایک ساتھ ملا کر رکھ لیا......اور پھر اپنے سب بیٹوں کو جمع کیا اور کہا کہ اب میری زندگی کا کچھ پتہ نہیں، میں تمہیں ایک خاص وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ سب بیٹے وصیت کے نام سے جمع ہو گئے اور سوچا کہ شاید والد کو فوت ہونے سے پہلے ہمیں کچھ مال و دولت وغیرہ دینے کا ارادہ ہو گیا ہے۔

جب سب بیٹے جمع ہو گئے تو اس نے سب کو سامنے بٹھا کر نمبر وار ایک ایک بیٹے کو اپنے قریب بلایا اور کہا کہ اس دھاگے کے دو ٹکڑے کر دو، مجھے اس کے دو ٹکڑوں کی ضرورت ہے، سارے بیٹوں نے نمبر وار آ کر اپنی طاقت لگائی اور زور آزمائی کی مگر کوئی بیٹا بھی دھاگے کے دو ٹکڑے نہیں کر سکا۔

جب چاروں بیٹے تھک کر بیٹھ گئے، تو باپ نے چاروں بیٹوں کو ایک ساتھ اپنے قریب بلا کر اس جمع شدہ دھاگے میں سے ایک ایک دھاگا چاروں بیٹوں کو دیا اور کہا کہ اب ہر ایک اپنے اپنے دھاگے کے دو دو ٹکڑے کر دے۔ تو سب بیٹوں نے بہت آسانی سے اپنے اپنے حصہ کے دھاگے کے دو دو ٹکڑے کر کے باپ کے سامنے پیش کر دیئے...... باپ نے اپنے چاروں بیٹوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میرے پیارے بیٹو! پہلے تم میں سے ہر ایک نے اس دھاگے کے دو ٹکڑے کرنے چاہے تو کوئی بھی دو ٹکڑے نہیں کر سکا، مگر اب تم میں سے ہر ایک نے بہت آسانی سے دھاگہ کے دو دو ٹکڑے کر دیئے، حالانکہ یہ دھاگہ وہی ہے جو پہلے تھا۔ کیا تم بتا سکتے ہو، اس کی کیا وجہ ہے؟

تو سب بیٹوں نے بیک زبان ہو کر کہا کہ پہلے یہ سب دھاگے اکٹھے اور ایک ساتھ جمع تھے اس لئے ان کی طاقت جمع ہونے کی وجہ سے زیادہ تھی اور وہ ہمارے توڑنے سے نہیں ٹوٹ سکے۔

مگر اب یہ الگ الگ ہو گئے تھے، اس لئے ان کی طاقت تقسیم ہونے سے کمزور ہو گئی تھی اور وہ ہمارے توڑنے سے آسانی کے ساتھ ٹوٹ گئے۔

اس پر باپ نے کہا کہ میرے پیارے بیٹو یہی معاملہ تمہارے اکٹھے محبت اور پیار کے ساتھ رہنے اور آپس میں لڑنے جھگڑنے کا بھی ہے کہ تم ایک ساتھ محبت اور پیار کے ساتھ رہو گے تو تمہیں کوئی توڑ نہیں سکے گا اور تمہاری چار حصوں کی طاقت ایک ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے زیادہ ہوگی۔ اور اگر لڑو جھگڑو گے تو تم میں سے ہر ایک کو الگ الگ جو بھی چاہے گا نقصان پہنچا سکے گا، کیونکہ اس وقت تمہاری طاقت چار حصوں میں تقسیم ہو چکی ہوگی۔ اس مثال سے چاروں بیٹوں کے بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے آئندہ لڑائی جھگڑا ختم کرنے کا عہد کر لیا اور اسی وقت ایک دوسرے سے دل صاف کر کے ایک ساتھ محبت و پیار سے رہنے لگے...... جب ان کے دشمنوں نے چاروں میں محبت و پیار دیکھا تو سب دشمن ڈر کر بھاگ گئے اور سوچنے لگے کہ ان چاروں سے کون مقابلہ کرے گا اور اس طرح ان چاروں بھائیوں سے سب علاقہ والے ڈرنے لگے اور ان کی عزت اور احترام کرنے لگے۔

تھوڑے دنوں کے بعد والد کا انتقال ہو گیا، مگر چاروں بیٹوں نے والد کی قیمتی وصیت کو نہیں چھوڑا۔

پیارے بچو! تم نے آپس کے لڑائی جھگڑوں کا نقصان اور محبت و پیار کا فائدہ دیکھ لیا۔

امید ہے کہ تم بھی آپس میں سب بہن بھائی محبت و پیار کے ساتھ رہو گے اور لڑائی جھگڑے سے بچو گے۔ تا کہ تمہاری بھی سب لوگ عزت کریں اور کوئی تمہیں نقصان نہ پہنچائے (ماخوذ از "پیارے بچو" مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بزمِ خواتین　　　　مفتی ابوشعیب

خواتین سے متعلق بنیادی شرعی احکام اور اصلاحی مضامین کا سلسلہ

شوال کے چھ روزوں کے فضائل ومسائل

معزز خواتین! شوال المکرّم اسلامی سال کا دسواں مہینہ ہے، جو عید الفطر کا چاند نظر آنے پر شروع ہوتا ہے، یہ مہینہ ماہِ رمضان المبارک کا پڑوسی مہینہ ہے اور دوسری طرف یہ مہینہ حج کا مہینہ بھی شمار ہوتا ہے، اس لئے کہ اس مہینے سے حج کا احرام باندھنا درست ہوجاتا ہے، اور اسی مہینے کی پہلی رات لیلۃ الجائزہ (یعنی انعام کی رات اور پہلا دن یوم الجائزۃ (یعنی انعام کا دن) کہلاتا ہے۔

اس مہینے کا چاند نظر آتے ہی پوری امتِ مسلمہ بھرپور طریقے سے خوشی اور مسرت کا اظہار کرتی ہے۔

ماہِ شوال کا چاند نظر آتے ہی عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ بس اب عبادت سے چھٹی ہوئی، اب کھانے پینے اور عیش وآرام کا وقت آ گیا، حالانکہ یہ سوچ درست نہیں، اس لئے کہ رمضان کا مہینہ تربیت کا مہینہ ہے، جس میں روزے رکھ کر تقویٰ حاصل کرنے کی مشق کی جاتی ہے، اور شوال کا مہینہ اسی حاصل شدہ تقویٰ کو بروئے کار لانے کے آغاز کا مہینہ ہے، جس کا سلسلہ سال بھر تک جاری رکھنا چاہئے، اس دوران اگر کچھ کمی کوتاہی رہ جائے، تو اس کے پورا کرنے کے لئے اگلے رمضان میں پھر تقویٰ کے حصول کی تربیت ومشق کے ذریعے اس کی تلافی کی جائے۔

رمضان کی مخصوص عبادات (فرض روزہ، نمازِ تراویح، اور سنت اعتکاف) کا وقت تو عید کا چاند نظر آتے ہی پورا ہوگیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب اس طرح کی عبادات (مثلاً نفل روزہ، نفل نماز، نفل اعتکاف وغیرہ) یا وہ عمومی عبادات جن کو غیر رمضان میں بھی ادا کرنے کا حکم ہے، جیسے فرض نماز پڑھنا، تلاوت کرنا، ذکر کرنا، توبہ استغفار کرنا، وغیرہ ان کو سرے سے چھوڑ ہی دیا جائے، بلکہ رمضان کے مہینے میں جن عبادات کی عادت ہوگئی ہے، ان عبادات کا سلسلہ سارا سال جاری رکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ عادت پختہ ہوجائے۔

شوال کے چھ روزوں کے فضائل

علاوہ ازیں شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھنے کی احادیث میں خصوصی ترغیب بھی وارد ہوئی ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہینے میں ان روزوں کو رکھ کر وہ فضائل بھی حاصل کرلئے جائیں، جو ان روزوں کے

رکھنے پر احادیث میں بیان کئے گئے ہیں، چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد چھ (نفل) روزے شوال (یعنی عید) کے مہینے میں رکھ لئے تو (پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا، اور اگر کوئی شخص ہمیشہ ایسا ہی کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے ،اور طبرانی کی روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ ہر دن کا روزہ دس روزوں (کے ثواب) کے برابر ہے (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابنِ ماجہ، طبرانی، مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۹)

فائدہ: ثواب دینے کے بارے میں اللہ پاک نے یہ مہربانی فرمائی ہے کہ ہر عمل کا ثواب کم از کم دس گنا مقرر فرمایا ہے، جب کسی نے رمضان کے تیس روزے رکھے اور پھر چھ روزے اور رکھ لئے تو یہ چھتیس روزے ہوگئے، چھتیس کو دس میں ضرب دینے سے تین سو ساٹھ ہوجاتے ہیں، قمری سال کے حساب سے ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے، لہٰذا چھتیس روزے رکھنے پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین سو ساٹھ دن کا ثواب شمار ہوگا اور ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزہ رکھنے والا مان لیا جائے گا (تحفہ خواتین، ص ۳۰۸، ۳۰۹ بتغیر، بحوالہ: شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام ص ۱۳۷، ۱۳۸)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے مہینے میں چھ روزے رکھے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۶۷ بحوالہ طبرانی فی الاوسط، ومجمع الزوائد ج ۳ رقم ۵۱۰۲، وقال فیہ مسلمۃ بن علی الخشنی وھو ضعیف)

یعنی بچہ ماں کے پیٹ سے جیسا گناہوں سے پاک صاف پیدا ہوتا ہے اسی طرح رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں چھ روزے رکھنے سے بھی وہ (صغیرہ) گناہوں سے اسی طرح پاک صاف ہوجاتا ہے۔

محدثین نے لکھا ہے کہ رمضان کے فرض روزے رکھنے کے بعد شوال کے مہینے میں ان چھ نفلی روزوں کو وہی نسبت اور مقام حاصل ہے جو فرضوں کے ساتھ سنت ونفل نماز کو حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز فرض نماز کے اندر اگر کوئی چھوٹی موٹی کمی کوتاہی ہوگی تو وہ سنت ونفل نمازوں سے پوری کی جائے گی، لہٰذا جو لوگ صرف رمضان کے روزے رکھ کر اس کے

پورے فوائد اور برکات حاصل نہیں کر پاتے وہ شوال کے چھ روزے رکھ کر حاصل ہو جاتے ہیں (شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام ص ۱۳۹، ۱۴۰)

شوال کے چھ روزوں کے مسائل

(۱)......شوال کے ان چھ روزوں کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ رمضان کے روزوں کی پوری تعداد مکمل طور پر ادا کر لی ہو (کیونکہ حدیث میں ان روزوں کی فضیلت رمضان کے مہینے کے روزے رکھ لینے کے بعد بیان کی گئی ہے) اس لئے اگر کسی کے ذمہ اس رمضان کے کچھ روزے قضاء ہوں تو پہلے ان کو ادا کیا جائے پھر شوال کے ان روزوں کو رکھ کر فضیلت حاصل کی جائے۔

(۲)......ایک روزے سے رمضان کے قضاء روزے کی ادائیگی اور شوال کے روزے کی فضیلت اکٹھی حاصل نہیں کی جا سکتی، لہٰذا یہ دونوں روزے الگ الگ رکھنے چاہیئے (احسن الفتاویٰ وغیرہ)

(۳)......شوال کے یہ روزے لگاتار رکھنا یا عید کے اگلے دن سے فوراً رکھنا ضروری نہیں بلکہ شوال کے مہینے میں عید کا دن چھوڑ کر جب اور جس طرح سے چاہیں رکھ سکتے ہیں، بس اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ ان چھ روزوں کی تعداد شوال کے مہینے میں مکمل ہو جانی چاہیئے۔

(۴)......شوال کے یہ روزے کیونکہ نفلی درجہ کا حکم رکھتے ہیں، اس لئے ان پر نفلی روزوں کے احکام ہی جاری ہوں گے۔

چنانچہ ان روزوں کے لئے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں، اگر کسی کا دن کے شروع وقت میں روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا لیکن صبح صادق کے بعد سے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں پھر روزہ رکھنے کا ارادہ ہو گیا تو زوال سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے (یعنی ضحوۂ کبریٰ جو صبح صادق سے سورج غروب ہونے تک کے آدھے حصہ کا نام ہے) تک نفل روزے کی نیت کر لینا صحیح ہے اس کے بعد نیت کرنا صحیح نہیں۔

نیت زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ دل کے ارادہ کا نام ہے۔ لہٰذا دل میں نیت کر لینا کافی ہے زبان سے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں۔ نفلی روزہ اگر رکھ کر پورا کرنے سے پہلے توڑ دیا جائے تو اس کی قضاء ضروری ہو جاتی ہے لیکن کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوتا۔

عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھنا منع ہے (شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام ص ۱۴۱، ۱۴۲)

نفلی روزہ درست ہونے کے لئے عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونا ضروری ہے۔ واللہ الموفق

کلمہ، نیکی کا حکم اور بُرائی سے منع کرنے کے قائم رہنے تک قیامت قائم نہ ہوگی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ عَلَى أَحَدٍ يَقُولُ اللَّهُ اللَّهُ (مسلم، حديث نمبر ۳۹۳؛ مسند احمد؛ مصنف عبدالرزاق؛ شعب الايمان؛ مستخرج ابی عوانة؛ ابنِ حبان؛ مسند بزار)

ترجمہ: قیامت کسی اللہ اللہ کہنے والے پر قائم نہ ہوگی (یعنی جب تک ایک بھی کلمہ گو دنیا میں رہے گا، قیامت نہ آئے گی، جب خالص کافر رہ جائیں گے، تب قیامت قائم ہوگی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ عَلَى أَحَدٍ يَقُولُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ أَوْ يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ (مسند اسحاق بن راهويه، حديث نمبر ۳۸۷؛ مسند الشاميين للطبرانی، حديث نمبر ۲۲۸۴)

ترجمہ: قیامت کسی ایک بھی لا الٰہ الا اللہ کہنے والے پر یا نیکی کا حکم کرنے اور بُرائی سے روکنے والے پر نہ آئے گی (ترجمہ ختم)

فائدہ: ایمان اور دین اس دنیا کی روح ہے، جب تک کسی ایک مؤمن فردِ بشر کی صورت میں بھی ایمان اور دین کا سلسلہ دنیا میں باقی رہے گا، قیامت قائم نہ ہوگی، جب تمام کے تمام اللہ کے نام لیوا، دین کے احکام کو زندہ کرنے والے ختم ہوجائیں گے، تو دنیا کی روح نکل جائے گی۔ مذکورہ حدیث سے اللہ کا ذکر کرنے اور نیکی کا حکم کرنے اور بُرائی سے روکنے کی خاص اہمیت معلوم ہوئی؛ لہٰذا وقوعِ قیامت سے بچنے کے لیے اللہ کا ذکر کرتے اور نیکی کا حکم کرتے اور بُرائی سے روکتے رہنا چاہیے۔

Idara Ghufran

تین بڑے ہلاک کرنے والے واقعات

حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو تین چیزوں سے نجات پا گیا، وہ صحیح معنوں میں نجات یافتہ ہے (یہ جملہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ دھرایا) میری وفات سے، اور دجال سے اور حق پر قائم و مستقیم رہنے والے خلیفہ کے قتل سے جو اُسے عطا کرنے والا ہے (مسند احمد، حدیث نمبر ۱۶۹۷۳؛ مصنف ابنِ ابی شیبۃ، حدیث نمبر ۳۸۶۳۰؛ دلائل النبوۃ للبیہقی، حدیث نمبر ۲۶۸۳؛ مستدرک حاکم، حدیث نمبر ۴۵۴۸)

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تین چیزیں ہیں، جن سے جو نجات پا گیا، تو وہ واقعی نجات پا گیا جو مؤمن کے قتل کے وقت اس سے نجات پا گیا (یعنی مؤمن کے قتل میں کسی طرح بھی شریک نہ ہوا) اور جو ایک خلیفہ کے قتل کے وقت (اس میں شریک و معاون بننے سے) جس کو مظلومانہ طور پر قتل کیا جائے گا، حالانکہ وہ حق پر ثابت قدم رہنے والا ہوگا، اور حق کو اپنی جان دے کر قائم رکھے گا، تو یہ آدمی بھی صحیح معنوں میں نجات پا گیا، اور (اسی طرح) جو دجال کے فتنہ سے بچ گیا (کہ دجال کا زمانہ اس نے نہیں پایا، یا دجال کا زمانہ پا کر بھی اس کے شر سے اور فتنہ سے محفوظ رہا) تو یہ شخص بھی واقعی نجات پا گیا (معجم کبیر طبرانی، حدیث نمبر ۱۴۲۱۳)

فائدہ: اور ایک روایت میں عام ہے کہ ''من نجا عند الموت فقد نجا'' یعنی جو موت کے وقت نجات پا گیا، تو وہ نجات پا گیا، خواہ اپنی موت کے وقت کفر و شرک اور گناہوں سے نجات پا گیا، یا کسی مسلمان کے قتل میں شریک ہونے سے نجات پا گیا (کذا فی مسند الرویانی، لابی بکر محمد بن ہارون، حدیث نمبر ۱۷۰)

Idara Ghufran

نماز پڑھنے والی بے دین قوم

حضرت شداد بن معقل اسدی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:

أَوَّلُ مَا تَفْقِدُونَ مِنْ دِينِكُمَ الْأَمَانَةُ ، وَآخِرُ مَا تَفْقِدُونَ مِنْهُ الصَّلاةُ ، وَسَيُصَلِّي قَوْمٌ وَلا دِيْنَ لَهُمْ ، وَإِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ الَّذِي بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ كَأَنَّهُ قَدْ نُزِعَ مِنْكُمْ ، قَالَ :قُلْتُ :كَيْفَ يَا عَبْدَ اللهِ ، وَقَدْ أَثْبَتَهُ اللَّهُ فِي قُلُوبِنَا، قَالَ :يُسْرَى عَلَيْهِ فِي لَيْلَةٍ فَتُرْفَعُ الْمَصَاحِفُ وَيُنْزَعُ مَا فِي الْقُلُوبِ ، ثُمَّ تَلاَ :(وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ) إِلَى آخِرِ الآيَةِ (مصنف ابن ابی شیبة، حدیث نمبر ۳۸۷۴۰؛ شعب الایمان؛ مستدرک حاکم؛ الفتن لنعیم بن حماد)

ترجمہ: اپنے دین میں سے وہ پہلی چیز جو تم کھو بیٹھو گے، امانت و دیانت کی صفت ہے، اور وہ آخری چیز جو تم کھوؤ گے، نماز ہے، اور عنقریب (ایسا وقت آئے گا) کہ ایک قوم (مسلمان ہونے کی دعویدار) نماز تو پڑھے گی، لیکن اس کے اندر دین نہ ہوگا، اور بلاشبہ یہ قرآن جو تمہارے درمیان موجود ہے، یہ گویا کہ تم سے اُچک لیا جائے گا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ یہ کیسے ہوگا؟ اے عبداللہ! حالانکہ اللہ نے اپنے اس کلام کو ہمارے دلوں میں جما دیا ہے، تو (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے) جواب دیا کہ (یوں ہوگا کہ) آدمی پر کوئی رات گزرے گی، تو صحیفوں سے قرآن اُٹھا لیا جائے گا (حروف وکلمات وآیات اُڑ جائیں گے، قرآن کے سادہ اوراق رہ جائیں گے) اور سینوں سے بھی اُٹھا لیا جائے گا (قرآن کی آیات واحکام جو آدمی کو یاد تھے، اس رات سے اس کے سینے سے فراموش کردیے جائیں گے) پھر (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے) یہ آیت (دلیل وثبوت کے طور پر) پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی!) اگر ہم چاہیں تو وہ آیات جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہیں، ضرور واپس لے لیں (ترجمہ ختم)

اُن لوگوں کی حالت، جن پر قیامت قائم ہوگی

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لا تقوم الساعة إلا على شرار الناس (ابنِ حبان، حدیث نمبر ۶۸۵۰؛ مسند اسحاق بن راهويه، حديث نمبر ۳۸۶)

ترجمہ: قیامت لوگوں میں سے شریر و پاپی لوگوں پر ہی قائم ہوگی (ترجمہ ختم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

والذی نفسی بیده ، لا تفنى هذه الأمة حتى يقوم الرجل إلى المرأة فيفترشها في الطريق ، فيكون خيارهم يومئذ من يقول لو واريتها وراء هذا الحائط (مسند ابی یعلی الموصلی، حدیث نمبر ۶۰۴۹)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ امت اس وقت تک ختم نہ ہوگی، یہاں تک کہ کوئی آدمی ایک عورت کے پاس آئے گا، اور راستے میں ہی اُسے لٹا کر (جانوروں کی طرح کھلے عام) اس سے بدکاری کرے گا، تو ان لوگوں میں سب سے اچھا آدمی وہ ہوگا، جو کھلے عام زنا کرنے والے سے کہے گا کہ ذرا اس دیوار کی آڑ میں ہوجاتا۔

فائدہ: احادیث وروایات میں قیامت کی جو نشانیاں اور قُربِ قیامت کے جو اعمال بیان کے گئے ہیں، اُن کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ان نشانیوں اور اعمال سے جہاں تک ہوسکے، بچا جائے، کیونکہ قیامت بدترین لوگوں اور بدترین حالات میں قائم ہوگی۔ لہٰذا مذکورہ روایت میں جس بدعملی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اس قسم کی بداعمالیوں کی حوصلہ شکنی کرتے رہنے میں ہی عافیت ہے، کیونکہ یہ بداعمالیاں قیامت کے قائم ہونے کے وقت ہوں گی۔

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

نمازی کے سامنے سے گزرنے کا مدلّل ومفصّل حکم

سوال

نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ اور کتنے فاصلہ سے گزرنا جائز ہے؟ اور کیا مجبوری میں بھی گزرنے کی گنجائش نہیں؟

اس بارے میں شریعت کا حکم اگر تفصیل سے بیان کر دیا جائے، تو مہربانی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

نمازی کے سامنے سے گزرنے کا وبال

نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنے سے نماز پڑھنے والے کی نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن بلاعذرِ شرعی گزرنا گناہ ہے۔

چنانچہ حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِي أَقَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً (بخاری حدیث نمبر ۴۸۰، کتاب الصلاۃ، باب إثم المار بین یدی المصلی، واللفظ لہ، مسلم حدیث نمبر ۱۱۶۰، ابوداؤد حدیث نمبر ۷۰۱، ترمذی حدیث نمبر ۳۰۸، نسائی حدیث نمبر ۷۵۵، مسند احمد حدیث نمبر ۱۷۰۵۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اس بات کو جان لے کہ اس پر کیا (گناہ اور برائی مرتب ہوتی) ہے، تو وہ چالیس تک کھڑا رہے، یہ اس کے لئے نمازی کے سامنے سے گزرنے سے بہتر ہے۔ حضرت ابوالنضر (راوی) کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں کہ (ابوجہیم نے) چالیس دن فرمایا، یا چالیس مہینے فرمایا، یا چالیس سال فرمایا (ترجمہ ختم)

مطلب یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے بلا عذر گزرنا اتنا سنگین اور سخت گناہ ہے کہ گزرنے والا جو کہ ابھی چند لمحات کا صبر کرنے کے لئے تیار نہیں اگر اس پر اس گناہ کی سنگینی واضح ہوجائے، تو وہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال تک نمازی کے سامنے سے گزرے بغیر کھڑے رہنے کو نمازی کے سامنے سے گزرنے پر ترجیح دے، اور بہتر سمجھے۔ [1]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُكُمْ مَا لَهُ فِي أَنْ يَمْشِيَ بَيْنَ يَدَيْ أَخِيهِ مُعْتَرِضًا وَهُوَ يُنَاجِي رَبَّهُ، كَانَ لَأَنْ يَقِفَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ مِائَةَ عَامٍ، أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَخْطُوَ (مسند احمد حديث نمبر ۸۸۳۷،واللفظ لهٗ، ابنِ ماجة حديث نمبر ۹۳۶، صحيح ابنِ خزيمة حديث نمبر۸۷۷،صحيح ابنِ حبان حديث نمبر ۲۳۶۵) [2]

---

[1] قال رسول الله لو يعلم المار أى قاصد المرور ومريده بين يدى المصلى ظرف المار ماذا أى أى شىء عليه من الإثم بسبب مروره بين يديه سد مسد المفعولين ليعلم وقد علق عمله بالإستفهام ولعل حكمة إبهامه الدلالة على عظمة ذلک الإثم وأنه واصل إلى ما لا يقدر قدره كقوله تعالى فغشيهم من اليمّ ما غشيهم طه وفى رواية للبخارى ماذا عليه من الإثم لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه قال العلامة الكرمانى جواب لو ليس هذا المذكور بل التقدير لو يعلم ماذا عليه لوقف أربعين ولو وقف أربعين لكان خيرا له قال وأبهم العدد تفخيما للأمر وتعظيما وقال ابن حجر معناه لو فرض أن فى المرور بين يدى المصلى خيرا لكان الوقوف أربعين سنة خيرا من المرور بين يديه اه وما أبعده عن المرمى إذ على تقدير تقديره لا وجه للتقييد بأربعين وغيره أصلا وتفوت المبالغة المطلوبة بل يفسد المعنى على مذهبه الذى يعتبر فيه المفهوم وأغرب من هذا أنه مع هذا قال واستفيد منه حرمة المرور بين يدى المصلى بل أقول لا يصح هذا التقدير من أصله إذ ينحل الكلام إلى أنه لو سلم فرض كون علم المار بين يدى المصلى ماذا عليه من الإثم خيرا لكان الخ وهو ظاهر البطلان والله المستعان قال أبو النضر لا أدرى قال أى أبو جهيم أربعين يوما أو شهرا أو سنة قال التوربشى قال الطحاوى المراد أربعون سنة لا يوما ولا شهرا نقله الطيبى وقال الشيخ ابن حجر ظاهر السياق أنه عين المعدود لكن الراوى تردد فيه قال الكرمانى تخصيص الأربعين بالذكر لكون كمال طور الإنسان بأربعين كالنطفة والمضغة والعلقة وكذا بلوغ الأشد ويحتمل غير ذلک قال الشيخ ابن حجر وما رواه ابن ماجه وابن حبان من حديث أبى هريرة لكان أن يقف مائة عام خيرا له من الخطوة التى خطاها مشعر بأن إطلاق الأربعين للمبالغة فى تعظيم الأمر لا لخصوص العدد المعين والله أعلم. نقله ميرک شاه متفق عليه (مرقاة، كتاب الصلاة، باب السترة)

[2] قال شعيب الأرنؤوط :إسناده ضعيف

وفى عبد بن حميد "أربعين عاماً "مكان قوله :مئة عام(مسند عبد بن حميد حديث نمبر ۱۴۵۶)

Idara Ghufran

ترجمہ: اگر تم میں سے کوئی اس چیز کی برائی کو جان لے، جو اپنے (نماز پڑھنے والے) بھائی کے سامنے چوڑائی (یعنی اس کے سامنے دائیں سے بائیں، یا بائیں سے دائیں) میں گزرنے میں ہے، جبکہ وہ اپنے رب سے مناجات کررہا ہے، تو گزرنے والا اس جگہ سو سال کھڑے رہنے کو ایک قدم بھی آگے بڑھانے سے زیادہ محبوب سمجھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَىْ الْمُصَلِّى مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يُخْسَفَ بِهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ(مؤطا امام مالک حدیث نمبر ۳۳۰، کتاب النداء للصلاۃ، باب التشدید فی أن یمر أحد بین یدی المصلی، واللفظ لہٗ، مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۲۳۲۳)

ترجمہ: اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اس بات کو جان لے کہ اس پر کس قسم کا وبال ہے، تو اس کے لئے اس جگہ زمین میں دھنس جانا بہتر ہے، اس سے کہ وہ نمازی کے سامنے سے گزرے (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے نمازی کے سامنے سے گزرنے کا گناہ ہونا معلوم ہوا۔ [۱]

البتہ بعض صورتوں میں گزرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا، بلکہ اس کا گناہ غلط جگہ نیت باندھ کر نماز پڑھنے والے کو ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے مسائل کے ضمن میں آتی ہے۔

سترہ وآڑ کے سامنے سے گزرنے کی اجازت

نمازی کے سامنے سے گزرنے کا گناہ اور وبال اس وقت ہے، جبکہ گزرنے والا بلا شرعی عذر کے گزرے، اور نمازی کے سامنے کوئی آڑ وسترہ (دیوار، ستون، دروازہ، درخت یا کوئی دوسری چیز) موجود نہ ہو، اور اگر کوئی آڑ وسترہ موجود ہو، تو اس آڑ وسترہ کے آگے سے گزرنے والا گناہ گار نہیں۔ [۲]

چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم - إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ

---

[۱] وبهذا علم أن الكراهة تحريمية لتصريحهم بالإثم وهو المراد بقوله وإن أثم المار بين يديه (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فى الصلاة)

[۲] الثانى عشر أنه لا بأس بالمرور وراء السترة كما دل عليه حديث ابن عباس الثابت فى الصحيحين من مروره وراء السترة ولم ينكر عليه (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فى الصلاة)

مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلاَ يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذَلِكَ (مسلم حديث نمبر ۱۱۳۹، كتاب الصلاة، باب سترة المصلى، واللفظ لهٗ،ترمذى ، حديث نمبر ۳۰۷، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى سترة المصلى)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پچھلے حصے کے برابر کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھے، تو اس کے آگے سے کسی گزرنے والے کی اس کو پروا کرنے کی ضرورت نہیں (ترجمہ ختم)

اور اگر باجماعت نماز پڑھی جارہی ہو،تو تمام نمازیوں کے سامنے یا ہر ہر نمازی کے سامنے الگ الگ سترہ وحائل ہونا ضروری نہیں، بلکہ امام کے سامنے سترہ وحائل ہونا اس کے تمام مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے۔

چنانچہ کئی احادیث میں حضور ﷺ کا صرف اپنے سامنے سترہ قائم کرکے نماز پڑھانا اور نمازیوں کے سامنے سے لوگوں کا گزرنا ثابت ہے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

سترة الإمام سترة من خلفه (المعجم الاوسط للطبرانى حديث نمبر ۴۶۵)

ترجمہ: امام کا سترہ اس کے پیچھے والوں کا بھی سترہ ہے (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی سند میں اگرچہ بعض محدثین نے ضعف کا حکم لگایا ہے، لیکن حضور ﷺ کے عمل اور صحابہ وتابعین کے قول وعمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ [۱]

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[۱] قال الهيثمى:

رواه الطبرانى فى الاوسط وفيه سويد بن عبد العزيز وهو ضعيف(مجمع الزوائد ج۲ص۶۲)

قلت: قال الحافظ فى التقريب لين الحديث (ص۸۲) اهـ ، وفى التهذيب(۴:۲۸۷)قال عثمان الدارمى عن دحيم ثقة وكانت له احاديث يغلط فيها،وقال على ابن حجر اثنى عليه هشيم خيرا قال أبو زرعة وجماعة.وقال ابن حبان وهو ممن استخير الله فيه لانه يقرب من الثقات وضعفه آخرون فهو حسن الحديث على الاصل الذى اصلناه فى المقدمة(اعلاء السنن ج۵ص۷۷،باب استحاب السترة فى ممر الناس وذكر مايتعلق بها)

قَالَ الترمذى: وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَسَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ وَأَبِي جُحَيْفَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ طَلْحَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالُوا سُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةٌ لِمَنْ خَلْفَهُ(ترمذى ، حديث نمبر ۳۰۷، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى سترة المصلى)

سترة الإمام سترة من ورائه (مصنف عبدالرزاق حدیث نمبر ۲۳۱۷، کتاب الصلاة، باب سترة الإمام سترة لمن وراء ہ)

ترجمہ: امام کا سترہ اس کے پیچھے والوں کا بھی سترہ ہے(ترجمہ ختم)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام عبدالرزاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وبه آخذ وهو الأمر الذی علیه الناس (حوالۂ مذکورہ)

ترجمہ: اسی کو میں لیتا ہوں، اورلوگوں کا اسی پرعمل ہے(ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے سے اس وقت گزرنا گناہ ہے، جبکہ اس کے سامنے کوئی سترہ وحائل نہ ہو، اور بلاعذر ایسا کیا جائے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کا سترہ مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے۔ [1]

نماز پڑھنے والے کو اپنے سامنے سترہ کا حکم

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم - إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا (ابوداؤد حدیث نمبر ۶۹۸، کتاب الصلاة،باب ما یؤمر المصلی أن یدرأ عن الممر بین یدیه)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے، تو سترہ کی طرف نماز پڑھے، اوراس کے قریب ہوکر کھڑا ہو(ترجمہ ختم)

اورحضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ": سُتْرَةُ الرَّجُلِ فِى الصَّلَاةِ السَّهْمُ ، وَإِذَا صَلَّى

---

[1] والرابع :سترة الإمام تجزیء أصحابه، فقد صح أن رسول الله علیه السلام صلى إلى العنزة بالبطحاء ؛ ولم یکن للقوم سترة(المحیط البرهانی، الفصل التاسع عشر فی المرور بین یدی المصلی وفی دفع المصلی المارّ، واتخاذ السترة ومسائلها)

الحادی عشر أن سترة الإمام تجزء عن أصحابه کما هو ظاهر الأحادیث الثابتة فی الصحیحین من الاقتصار على سترته صلى الله علیه وسلم وقد اختلف العلماء فی أن سترة الإمام هل هی بنفسها سترة للقوم وله أو هی سترة له خاصة وهو سترة لمن خلفه فظاهر کلام أئمتنا الأول ولهذا قال فی الهدایة وسترة الإمام سترة للقوم (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الاکل والشرب فی الصلاة)

Idara Ghufran

أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ بِسَهْمٍ "(مسند احمد حدیث نمبر ۱۵۳۴۲،باسناد حسن)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا سترہ نماز میں تیر (یا اس کے مثل) ہوتا ہے، اور جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے، تو تیر کو (اپنے سامنے) آڑ بنالے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا تُصَلُّوا إِلَّا إِلَى سُتْرَةٍ، وَلَا تَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْكَ (مستدرک حاکم حدیث نمبر ۸۷۶) [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سترہ کو حائل بنا کر ہی نماز پڑھو، اور اپنے سامنے سے گزرنے والے کو نہ چھوڑو (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُو إِلَى الْمُصَلَّى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلَّى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا (بخاری حدیث نمبر ۹۲۰، کتاب الجمعة،باب حمل العنزة أو الحربة بين يدی الإمام يوم العيد،واللفظ لهٗ،ابنِ ماجة حديث نمبر ۱۲۹۴، کتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فی الحربة يوم العيد، صحيح ابنِ حبان حديث نمبر ۲۳۷۷، مسند ابی عوانة حديث نمبر ۱۴۰۶،سنن نسائی حديث نمبر ۱۵۶۴، بَاب صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ إِلَى الْعَنَزَةِ، واللفظ لهٗ، مسند احمد حديث نمبر ۵۸۴۰،السنن الكبرىٰ للنسائی حديث نمبر ۱۷۶۹،صحيح ابنِ خزيمة حديث نمبر ۱۳۵۶)

ترجمہ: نبی ﷺ (عیدین کے دنوں میں) صبح عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے تھے، اور نیزہ آپ کے سامنے اٹھا کر لے جایا جاتا تھا، اور اسے آپ ﷺ کے سامنے عیدگاہ میں گاڑ لیا جاتا تھا، جس کی طرف رخ کر کے آپ نماز پڑھایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ بِالْبَطْحَاءِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ تَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ (بخاری حدیث نمبر

[1] وقال الحاكم: " .هَذَا حَدِيثٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ "

۴۶۵، کتاب الصلاۃ، باب سترۃ الإمام سترۃ من خلفہ)

ترجمہ: نبی ﷺ نے ان کو بطحاء کے مقام میں (مسافر ہونے کی وجہ سے) ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھائیں، اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک نیزہ تھا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے عورت اور گدھا گزر رہا تھا (ترجمہ ختم)

اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے:

كَـانَ يُرْكَزُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَزَةٌ فِي الْفَضَاءِ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا (المعجم الكبير للطبراني حديث نمبر ۱۷۷۴۹)

ترجمہ: فضاء میں نبی ﷺ کے لئے نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا، جس کی طرف رخ کر کے نبی ﷺ نماز پڑھایا کرتے تھے (ترجمہ ختم)

اور حضرت اسود فرماتے ہیں:

إن كـان عمر ربما يركز العنزة فيصلي إليها والظعائن يمررن أمامه (مصنف عبدالرزاق حديث نمبر ۲۳۱۶)

ترجمہ: بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نیزہ گاڑ لیا کرتے تھے، اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، اور سواریاں آپ کے سامنے سے گزرا کرتی تھیں (ترجمہ ختم)

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ نمازی کو ایسے مقام پر نماز پڑھنی چاہئے، جہاں اس کے سامنے کوئی دیوار، یا ستون وغیرہ حائل ہو، اور اگر کوئی فضا وجنگل یا راستے میں نماز پڑھ رہا ہو، جہاں پہلے سے نمازی کے سامنے کوئی چیز حائل نہ ہو، تو اپنے سامنے تیر یا نیزے یا لاٹھی وغیرہ کو کھڑا کر کے سترہ حائل کر لینا چاہئے، تاکہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے تکلیف یا گناہ میں مبتلا نہ ہوں، اور نمازی کو بھی تشویش لاحق نہ ہو۔ [۱]

---

[۱] والثـالـث أنـه يستحب لمن صلى في الصحراء أن يتخذ أمامه سترة وروى أبو داود من حديث أبى هريرة أن رسـول الـلـه قال إذا صلى أحدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئا فإن لم يجد فلينصب عصا فإن لم يكن له عصا فليخط خطا ولا يضره ما مر أمامه وخرجه ابن حبان في (صحيحه) وذكر عبد الحق أن ابن المديني وأحمد بـن حـنـبل صححاه وقال عياض هذا الحديث ضعيف وإن كان قد أخذ به أحمد وقال سفيان بن عيينة لم نجد شيئا نشد به هذا الحديث وكان إسماعيل بن أمية إذا حدث بهذا الحديث يقول عندكم شيء تشدون به

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو نمازی کا تنبیہ کرنا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم -قَالَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ يُصَلِّى فَلاَ يَدَعْ أَحَدًا يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلْيَدْرَأْهُ مَا اسْتَطَاعَ فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ .

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأشار الشافعى إلى ضعفه وقال النووى فيه ضعف وأضطراب وقال البيهقى ولا بأس به فى مثل هذا الحكم (عمدة القارى، باب يرد المصلى من مر بين يديه)

عن ابن عمر قال كان النبى يغدو إلى المصلى أى مصلى العيد والعنزة وهى بفتحتين أطول من العصا وأقصر من الرمح وفيها سنان كسنان الرمح وقيل رمح قصير وقيل هى مثل نصف الرمح بين يديه تحمل وتنصب أى تغرز بالمصلى بين يديه أى قدامه أى قبالة أحد حاجبيه لا بين عينيه فيصلى إليها قال ابن الملك وهذا يدل على أن المصلى ينبغى أن يبين موضع صلاته بسجادة أو يقف قريبا من اسطوانة المسجد أو يغرز عصا أو يخط خطا مثل شكل المحراب ا ه وقيل من جهة يمينه إلى الشمال وقيل الخط لا يجزئه عن السترة(مرقاة، كتاب الصلاة، باب السترة، الفصل الاول)

وينبغى لمن يصلى فى الصحراء أن يتخذ أمامه سترة لقوله عليه الصلاة والسلام إذا صلى أحدكم فى الصحراء فليجعل بين يديه سترة ومقدارها ذراع فصاعدا لقوله عليه الصلاة والسلام أيعجز أحدكم إذا صلى فى الصحراء أن يكون أمامه مثل مؤخرة الرحل وقيل ينبغى أن تكون فى غلظ الأصبع لأن ما دونه لا يبدو للناظر من بعيد فلا يحصل المقصود ويقرب من السترة لقوله عليه الصلاة والسلام من صلى إلى سترة فليدن منها ويجعل السترة على حاجبه الأيمن أو على الأيسر به ورد الأثر ولا بأس بترك السترة إذا أمن المرور ولم يواجه الطريق وسترة الإمام سترة للقوم لأنه عليه الصلاة والسلام صلى ببطحاء مكة إلى عنزة ولم يكن للقوم سترة ويعتبر الغرز دون الالقاء والخط لأن المقصود لا يحصل به ويدرأ المار إذا لم يكن بين يديه سترة أو مر بينه وبين السترة لقوله عليه الصلاة والسلام ادرء وا ما استطعتم ويدرأ بالاشارة كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم بولد أم سلمة رضى الله عنها أو يدفع بالتسبيح لما روينا من قبل ويكره الجمع بينهما لأن بأحدهما كفاية (الهداية ،قبيل فصل الكراهة)

وقال محمد رحمه الله :رجل يصلى فى الصحراء يستحب له أن يكون بين يديه شىء مثل العصا ونحوه، وإن كان لا يجد العصا ليستتر بحائط أو سارية أو شجرة.والكلام هنا فى مواضع .أحدها :فى أصل السترة وأنه مستحب، والأصل فيه؛ ما روى عن عون بن أبى جحيفة عن أبيه قال :رأيت رسول الله عليه السلام يصلى إليها والناس يمرون من ورائها، وقال عليه السلام :من كان يصلى فى الصحراء فليضع بين يديه مثل مؤخرة رحله أو واسطة رجل ثم لا يضره مرور شىء بين يديه .... والثامن :لا بأس بترك السترة إذا أمن المرور ولم يواجه الطريق؛ لأن الداعى إلى السترة قد زال، وقد فصل محمد رحمه الله فى طريق مكة ذلك غير مرة(المحيط البرهانى، الفصل التاسع عشر فى المرور بين يدى المصلى وفى دفع المصلى المارّ، واتخاذ السترة ومسائلها،ملخصاً)

(مسلم حدیث نمبر ۱۱۵۶ ، کتاب الصلاۃ، باب منع المار بین یدی المصلی، واللفظ لہٗ، مؤطاامام مالک حدیث نمبر ۳۲۸،ابوداؤد حدیث نمبر۶۹۷، سنن نسائی حدیث نمبر ۷۵۶، مسند احمد حدیث نمبر ۱۱۲۹۹)

ترجمہ: رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے،تو وہ اپنے سامنے سے کسی گزرنے والے کو نہ چھوڑے، اورحتی الامکان اسے ہٹانے کی کوشش کرے، اگر وہ ہٹنے سے انکارکرے،تو اس کے ساتھ قتال کرے کیونکہ وہ شیطان ہے(ترجمہ ختم)

قتال کرنے سے مراد گزرنے والے کو ہٹانے میں مبالغہ کرنا ہے، جیسا کہ آگے تشریح کے ذیل میں آتا ہے۔ [1]

اورحضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ إِذَا صَلَّی أَحَدُکُمْ إِلَی شَیْءٍ یَسْتُرُہُ مِنْ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ یَجْتَازَ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلْیَدْفَعْہُ فَإِنْ أَبَی فَلْیُقَاتِلْہُ فَإِنَّمَا ہُوَ شَیْطَانٌ (بخاری حدیث نمبر ۴۷۹، کتاب الصلاۃ، باب یرد المصلی من مر بین یدیہ،واللفظ لہٗ، مسلم حدیث نمبر ۱۱۵۷، ابوداؤد حدیث نمبر ۷۰۰، مسند احمد حدیث نمبر ۱۱۶۰۷،صحیح ابنِ خزیمۃ حدیث نمبر ۷۹۰)

ترجمہ: میں نے نبیﷺ سے آپ کا یہ ارشادمبارک سنا کہ جب تم میں سے کوئی کسی چیز (مثلاً سترہ یادیوار) کی طرف نماز پڑھ رہا ہو،جس نے لوگوں سے آڑ کررکھی ہو، پھرکوئی اس کے سامنے سے گزرنا چاہے،تو اس نمازی کو اسے روکنا چاہئے،اوراگروہ انکارکرے،تو اس سے مقاتلہ کرنا چاہئے، کیونکہ وہ شیطان ہے(ترجمہ ختم)

اورحضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں ہے:

إِذَا صَلَّی أَحَدُکُمْ إِلَی شَیْءٍ یَسْتُرُہُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ یَجْتَازَ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلْیَدْفَعْ فِی نَحْرِہِ فَإِنْ أَبَی فَلْیُقَاتِلْہُ فَإِنَّمَا ہُوَ شَیْطَانٌ (مسلم حدیث نمبر ۱۱۵۷، کتاب

---

[1] وقولہ :(فإن أبی فلیقاتلہ) : أی إن أبی بالإشارۃ ولطیف المغ فلیمانعہ ویدافعہ بیدہ(اکمال المعلم شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض، کتاب الصلاۃ، باب منع المار بین یدی المصلی)

فإن أبَی، فلیقاتلہ فإنما ہو شیطان .أی یبالغ فی دفعہ(شرح النقایۃ،کتاب الصلاۃ)

Idara Ghufran

الصلاۃ، باب منع المار بین یدی المصلی،واللفظ لہٗ،السنن الصغریٰ للبیھقی حدیث نمبر ۹۳۸،باب دفع المار بین یدی المصلی ،شرح السنۃ للامام البغوی، باب کراھیۃ المرور بین یدی المصلی وإباحۃ دفعہ) ۱

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی کسی چیز کو لوگوں سے سترہ بنا کر نماز پڑھے، پھر کوئی نمازی کے سامنے (نہ کہ سترہ کے سامنے) سے گزرنا چاہے،تو اس کی گردن سے اس کو روکے، پھر اگر وہ انکار کرے،تو اس کے ساتھ مقاتلہ کرے، کیونکہ وہ شیطان ہے (ترجمہ ختم)

محدثین نے اس طرح کی احادیث کی تشریح میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص نمازی کے سامنے سے سترہ حائل کئے بغیر گزرے،تو اس کو زبان سے سبحان اللہ کہہ کر آگے ہاتھ وغیرہ کا اشارہ کرکے یا اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر گزرنے سے مطلع کردینا اور روک دینا چاہئے۔ ۲

اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے،تو اس کے ساتھ مقاتلہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کو روکنے میں زیادہ مبالغہ کرنا چاہئے، بشرطیکہ عملِ کثیر کی حد تک نہ پہنچ جائے، ورنہ تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

مگر یاد رہے کہ نمازی کے لئے ایسا کرنا صرف مستحب اور بقول بعض جائز ومباح درجے کا عمل ہے،فرض وواجب درجے کا عمل نہیں۔ ۳

---

۱ هَذَا حَدِيثٌ مُتَّفَقٌ عَلَى صِحَّتِهِ ، أَخْرَجَهُ مُحَمَّدٌ ، عَنْ آدَمَ ، وَأَخْرَجَ مُسْلِمٌ ، عَنْ شَيْبَانَ بْنِ فَرُّوخَ ، كِلاهُمَا عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ ، وَقَالَ :فَلْيَدْفَعْهُ فِي نَحْرِهِ ، فَإِنْ أَبَى ، فَلْيُقَاتِلْهُ ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ "(شرح السنۃ، حوالہ بالا)

۲ وقال ابن بطال اتفقوا على دفع المار إذا صلى إلى سترة فأما إذا صلى إلى غير السترة فليس له لأن التصرف والمشي مباح لغيره في ذلك الموضع الذي يصلي فيه فلم يستحق أن يمنعه إلا ما قام الدليل عليه وهي السترة التي وردت السنة بمنعها (عمدۃ القاری، باب یرد المصلی من مر بین یدیه)

الخامس عشر درء المار بين يديه قالوا ويدرؤه إن لم يكن سترة أو مر بينه وبينها للأحاديث الواردة وهو بالإشارة باليد أو بالرأس أو بالعين أو بالتسبيح وزاد الولوالجي أنه يكون برفع الصوت بقراءة القرآن وينبغي أن يكون محله في الصلاة الجهرية فيما يجهر فيه منها وفي الهداية ويكره الجمع بين التسبيح والإشارة لأن بأحدهما كفاية قالوا هذا في حق الرجال أما النساء فإنهن يصفقن للحديث وكيفيته أن تضرب بظهور أصابع اليمنى على صفحة الكف من اليسرى ولأن في صوتهن فتنة فكره لهن التسبيح كذا في غاية البيان (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الاکل والشرب فی الصلاۃ)

۳ وعن أبي سعيد قال قال رسول الله إذا صلى أحدكم إلى شيء أي من الأشياء المذكورة فيما تقدم يستره من الناس أي في الجملة أو يستر حاله ونظره ويبعده منهم ويميزه بالصلاة لهم فأراد أحد أن يجتاز من الجواز أي يعبر ويمر ويتجاوز بين يديه أي بينه وبين السترة فليدفعه أي ندبا وقيل وجوبا بالإشارة أو وضع اليد على نحره وفي شرح المنية ويدرأ المار إذا أراد أن يمر في موضع سجوده أو بينه وبين الستر بالإشارة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر نمازی کے سامنے سے کوئی اتنے فاصلہ پر گزرے، کہ نمازی کا اس کو اپنی جگہ رہتے ہوئے ہاتھ کے اشارہ سے روکنا ممکن نہیں، اور اس کے لئے نمازی کو اپنی جگہ سے چلنا پڑتا ہے، تو گزرنے والے کو روکنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أو التسبيح لا بهما معا ا ه وقد نقل القاضى عياض الإتفاق على أنه لا يحل له العمل الكثير فى مدافعته ثم ظاهر الحديث دفع المار مطلقا من غير استثناء مجنون وصبى ويؤيده حديث ابن ماجه ولو قيل بضعفه عن أم سلمة قالت صلى رسول الله فى حجرتى فمر بين يديه عبد الله أو عمر بن أبى سلمة فقال بيده فرجع ثم مرت زينب بنت أبى سلمة فقال بيده هكذا فمضت فلما فرغ قال هى أغلب وفى رواية هن أغلب فإن أبى أى امتنع فليقاتله أى فليدفعه بالقهر ولا يجوز قتله كذا قاله بعض علمائنا وقال ابن حجر فإن أبى إلا بقتله فليقاتل وإن أفضى إلى قتله إياه ومن ثم جاء فى رواية فإن أبى فليقتله قال ابن الملك فإن قتله عملا بظاهر الحديث ففى العمد القصاص وفى الخطأ الدية قال وهذا إذا أراد المرور بينه وبين السترة وإن لم يكن بين يديه سترة فليس له الدفع لأن التفريط منه بتركها وفيه دليل على أن العمل اليسير لا يبطل الصلاة ا ه وقال القاضى عياض فإن دفعه بما يجوز فهلك فلا قود عليه باتفاق العلماء وهل تجب الدية أو يكون هدرا فيه مذهبان للعلماء وهما قولان فى مذهب مالك نقله الطيبى فإنما هو شيطان من شياطين الإنس أو الجن أو فعله فعل شيطان لأنه يشوش المصلى قال الخطابى معناه أن الشيطان حمله عليه أو هو شيطان لأن الشيطان هو مارد من الجن والانس هذا لفظ البخارى ورواه أبو داود قاله ميرک شاه ولمسلم معناه واختلف فيما لو لم يجد طريقا سوى ما بين يدى المصلى والظاهر جواز دفعه لدفع أبى سعيد الخدرى لمن أراد أن يمر بين يديه المرة بعد المرة مع أنه لم يجد طريقا فلما عوتب روى الحديث المذكور لكن هذا الخلاف حيث لم يقصر المصلى بقارعة الطريق فإنه حينئذ حل المرور بين يديه لتقصيره حتى جوزوا له المرور إلى الفرجة بين يدى الصف الثانى لتقصيرهم بتركها وهذا الحكم عام يشمل المسجد الحرام وداخل الكعبة وأما قول ابن حجر ونحو الشارع وباب المسجد والدرب الضيق المحل الذى يغلب مرور الناس فيه فى وقت تلک الصلاة ولو فى المسجد كما هو ظاهر فليس بظاهر كما لا يخفى لأن المسجد محل العبادة ويختص بمن سبق إليه فليس لأحد أن يتعدى عليه وأما الشارع فموضوع لمرور العامة ويختص بمن يمر ولا يجوز التعدى عليه فى مروره بدفعه ومنعه وأمره بالوقوف ونحوه ولذا قيل أول بدعة أحدثت الطريق الطريق وفى معناه ظهرک وحاشاک فإذا صلى فيه أحد فتعدى عليهم بمنع المرور فلا حرمة له حينئذ فالفرق ظاهر مبطل لقياسه ثم قال فعلم أن الكعبة تكون سترة لمن صلى إليها فى وقت فيه طواف الناس جدا بخلاف ما يكثر فيه ازدحامهم كالصلاة فى الطريق وعليه تحمل الأحاديث المصرحة بجواز المرور بين يديه ا ه وفيه بحث لأنه إن كان هذا بالقياس على الصلاة فى الطريق كما ذكره فهو قياس باطل كما سبق وإن كان بالأحاديث المخصصة لعموم أحاديث الباب فهو مسلم لكن يحتاج إلى ذكر تلک الأحاديث لينظر فيها اسنادا أو متنا لفظا ومعنى والله أعلم(مرقاة، كتاب الصلاة، باب السترة)

معنى (يدرأ) يدفع ، وهذا الأمر بالدفع أمر ندب ، وهو ندب متأكد ، ولا أعلم أحدا من العلماء أوجبه ، بل صرح أصحابنا وغيرهم بأنه مندوب غير واجب .قال القاضى عياض :وأجمعوا على أنه لا يلزمه مقاتلته بالسلاح ، ولا ما يؤدى إلى هلاكه ، فإن دفعه بما يحوز فهلک من ذلک فلا قود عليه باتفاق العلماء ، وهل يجب ديته أم يكون هدرا ؟ فيه مذهبان للعلماء ، وهما قولان فى مذهب مالک رضى الله عنه ، قال :واتفقوا على أن هذا كله لمن لم يفرط فى صلاته ، بل احتاط وصلى إلى سترة أو فى مكان يأمن المرور بين يديه ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے لئے نماز میں چل کر جانا جائز نہیں، ایسی صورت میں زبان سے سبحان اللہ وغیرہ کہہ کر گزرنے والے کو تنبیہ کر دینا کافی ہے۔ اور اگر نمازی گزرنے والے کو کسی بھی حال میں تنبیہ نہ کرے، تو تب بھی نمازی کے لئے کوئی گناہ نہیں۔ ؎۱

اور نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو شیطان فرمانا اس مناسبت سے ہے کہ وہ نماز کی شکل میں اپنے رب سے مناجات کرنے والے کی تشویش کا باعث بنتا ہے، یا شیطان اس وجہ سے کہا گیا کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو شیطان اس عمل پر ابھارتا ہے، یا شیطان اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ شیطان کا فعل ہے، یا مراد یہ ہے کہ وہ شیطان کا قرین اور معاون ہے، جیسا کہ دوسری حدیث میں اس کا ذکر ہے (وفیہ اقوال اخر) ؎۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويدل عليه قوله فى حديث أبى سعيد فى الرواية التى بعد هذه (إذا صلى أحدكم إلى شىء يستره ، فأراد أحد أن يجتاز بين يديه ، فليدفع فى نحره ، فإن أبى فليقاتله) قال :وكذا اتفقوا على أنه لا يجوز له المشى إليه من موضعه ليرده ، وإنما يدفعه ويرده من موقفه ، لأن مفسدة المشى فى صلاته أعظم من مروره من بعيد بين يديه ، وإنما أبيح له قدر ما تناله يده من موقفه ، ولهذا أمر بالقرب من سترته ، وإنما يرده إذا كان بعيدا منه بالإشارة والتسبيح .قال :وكذلك اتفقوا على أنه إذا مر لا يرده لئلا يصير مرورا ثانيا إلا شيئا روى عن بعض السلف أنه يرده وتأوله بعضهم .هذا آخر كلام القاضى رحمه الله تعالى ، وهو كلام نفيس والذى قاله أصحابنا أنه يرده إذا أراد المرور بينه وبين سترته بأسهل الوجوه ، فإن أبى فبأشدها ، وإن أدى إلى قتله فلا شىء عليه كالصائل عليه لأخذ نفسه أو ماله ، وقد أباح له الشرع مقاتلته ، والمقاتلة المباحة لا ضمان فيها(شرح النووى علىٰ مسلم ، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدى المصلى)

؎۱ الثالث إنه لايجوز له المشى إليه من موضعه ليرده وإنما يدافعه ويرده من موضعه لأن مفسدة المشى أعظم من مروره بين يديه وإنما أبيح له قدر ما يناله من موقفه وإنما يرده إذا كان بعيدا منه بالإشارة والتسبيح ولا يجمع بينهما وقال إمام الحرمين لا ينتهى دفع المار إلى منع محقق بل يومىء ويشير برفق فى صدره من يمر به وفى الكافى للروياني يدفعه ويصر على ذلك وإن أدى إلى قتله وقيل يدفعه دفعا شديدا أشد من الدرء ولا ينتهى إلى ما يفسد صلاته وهذا هو المشهور عند مالك وأحمد وقال أشهب فى (المجموعة) إن قرب منه درأه ولا ينازعه فإن مشى له ونازعه لم تبطل صلاته وإن تجاوزه لا يرده لأنه مرور ثان وكذا رواه ابن القاسم من أصحاب مالك وبه قال الشافعي وأحمد وقال أبو مسعود وسالم يرده من حيث جاء وإذا مر بين يديه ما لا تؤثر فيه إلا الإشارة كالهرة قالت المالكية دفعه برجله أو ألصقه إلى الستر(عمدة القارى، باب يرد المصلى من مر بين يديه)

؎۲ فإنما هو شيطان من شياطين الإنس أو الجن أو فعله فعل شيطان لأنه يشوش المصلى قال الخطابى معناه أن الشيطان حمله عليه أو هو شيطان لأن الشيطان هو مارد من الجن والانس (مرقاة، كتاب الصلاة، باب السترة)

الخامس فيه أن المار كالشيطان فى أنه يشغل قلبه عن مناجاة ربه.(عمدة القارى، باب يرد المصلى من مر بين يديه)

قوله صلى الله عليه وسلم :(فإنما هو شيطان)قال القاضى :قيل :معناه إنما حمله على مروره وامتناعه من الرجوع الشيطان ، وقيل :معناه يفعل فعل الشيطان لأن الشيطان بعيد من الخير وقبول السنة ، وقيل : المراد بالشيطان القرين كما جاء فى الحديث الآخر (فإن معه القرين) . والله أعلم (شرح النووى علىٰ مسلم ، كتاب الصلاة، باب منع المار بين يدى المصلى)

Idara Ghufran

سترہ کس طرح کا ہونا چاہیے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ -صلی الله علیه وسلم -عَنْ سُتْرَةِ الْمُصَلِّى فَقَالَ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ (مسلم حدیث نمبر ۱۱۴۱، کتاب الصلاة، باب سترة المصلی، واللفظ لهٔ، سنن نسائی حدیث نمبر ۷۴۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے نمازی کے سترہ کے بارے میں سوال کیا گیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ سترہ کجاوے کے پچھلے حصے کے مثل ہونا چاہئے (ترجمہ ختم)

اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلی الله علیه وسلم - إِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلاَ يُبَالِ مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذَلِكَ (مسلم حدیث نمبر ۱۱۳۹، کتاب الصلاة، باب سترة المصلی، واللفظ لهٔ،ترمذی، حدیث نمبر ۳۰۷، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی سترة المصلی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوے کے پچھلے حصے کے برابر کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھے، تو اس کے آگے سے کسی گزرنے والے کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں (ترجمہ ختم)

اور حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُتْرَةُ الرَّجُلِ فِي الصَّلَاةِ السَّهْمُ ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ بِسَهْمٍ (مسند احمد حدیث نمبر ۱۵۳۴۲،باسناد حسن)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا سترہ نماز میں تیر (یا اس کے مثل) ہوتا ہے، اور جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے، تو تیر کو (اپنے سامنے) آڑ بنالے (ترجمہ ختم)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کا سترہ کجاوے کے پچھلے حصہ یا تیر کی لمبائی کے برابر ہونا چاہئے، جس کی مقدار ہمارے فقہائے کرام نے ایک ذراع (یعنی دو بالشت) قرار دی ہے۔ [1]

---

[1] (قلت) قال محمد يستحب لمن يصلی فی الصحراء أن يكون بين يديه شیء مثل عصا ونحوها فإن لم يجد يستتر بشجرة ونحوها (فإن قلت) الحربة المذكورة هل لها حد فی الطول وما المعتبر فی طول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

جہاں تک سترہ کی موٹائی کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلی کے برابر موٹائی ہونی چاہئے۔

جبکہ بعض حضرات نے اس سے کم موٹائی کی بھی گنجائش دی ہے، بالخصوص جبکہ انگلی کے برابر موٹی کوئی چیز میسر نہ ہو، جس کی بعض روایات سے تائید بھی ہوتی ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السترة (قلت) قال أصحابنا مقدارها ذراع فصاعدا وأخذوا ذلک بحديث طلحة بن عبيد الله قال قال رسول الله إذا جعلت بين يديک مثل مؤخرة الرحل فلا يضرک من يمر بين يديک رواه مسلم وذكر شيخ الإسلام فی مبسوطه من حديث أبی جحيفة الآتی ذكره أن مقدار العنزة طول ذراع فی غلظ أصبع ويؤيد هذا قول ابن مسعود يجزیء من السترة السهم وفی الذخيرة طول السهم ذراع وعرضه قدر أصبع (عمدة القاری، كتاب الصلاة، باب سترة الامام سترة من خلفه)

الخامس أن المستحب أن يكون مقدارها ذراعا فصاعدا لحديث مسلم عن عائشة (سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن سترة المصلی فقال بقدر مؤخرة الرحل) ومؤخرة بضم الميم وهمزة ساكنة وكسر الخاء المعجمة العود الذی فی آخر الرحل من كور البعير وفسرها عطاء بأنها ذراع فما فوقه كما أخرجه أبو داود(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فی الصلاة)

(فصل) وقدر طولها ذراع أو نحوه يروى ذلک عن عطاء والثوری واصحاب الرأی، وعنه انها قدر عظم الذراع وهو قول مالک والشافعی وهذا ظاهر التقريب لان النبی صلى الله عليه وسلم قدرها بمؤخرة الرحل وهی تختلف فتارة تكون ذراعا وتارة تكون أقل فما قارب الذراع أجزاء الاستتار به فأما قدرها فی الغلظ فلا نعلم فيه حدا فقد تكون غليظة كالحائط ورقيقة كالسهم فان النبی صلى الله عليه وسلم كان يستتر بالعنزة، وقال أبو سعيد كان يستتر بالسهم والحجر فی الصلاة الا أن أحمد قال ما كان أعرض فهو أعجب إلی لما روی عن سبرة أن النبی صلى الله عليه وسلم قال "استتروا فی الصلاة ولو بسهم "رواه الاثرم، فقوله "ولو بسهم "يدل على أن غيره أولى منه(الشرح الكبير لابنِ قدامة، ج ا ص ۶۲۲،۶۲۳)

[۱] واختلف مشايخنا فيما إذا كانت السترة أقل من ذراع وقال شيخ الإسلام لو وضع قناة أو جعبة بين يديه وارتفع قدر ذراع كانت سترة بلا خلاف وإن كانت دونه ففيه خلاف وفی غريب الرواية النهر الكبير ليس بسترة كالطريق وكذا الحوض الكبير وقالت المالكية تجوز القلنسوة العالية والوسادة بخلاف السوط وجوز فی العتبية السترة بالحيوان الطاهر بخلاف الخيل والبغال والحمير وجوز بظهر الرجل ومنع بوجهه وتردد فی جنبه ومنع بالمرأة واختلفوا فی المحارم ولا يستتر بنائم ولا مجنون ومأبون فی دبره ولا كافر انتهى (عمدة القاری، كتاب الصلاة، باب سترة الامام سترة من خلفه)

والثالث :ينبغی أن يكون مقدار طولها ذراع، لأن العبرة قدر ذراع ولم يذكر فی الأصل قدرها عرضاً، قيل: وينبغی أن يكون فی غلظ إصبع ، هكذا ذكر شمس الأئمة السرخسی رحمه الله وأنه موافق لما روی عن ابن مسعود رضی الله عنه أنه قال :يجزیء من السترة السهم، وهكذا ذكر محمد رحمه الله فی السير الكبير : قال محمد رحمه الله فی السير :بلغنا أن رسول الله عليه السلام قال :تجزیء من السترة السهم بفتح الياء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

" يُجْزِءُ مِنَ السُّتُرَةِ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ ، وَلَوْ بِدَقَّةِ شَعْرَةٍ "(مستدرک حاکم حدیث نمبر ۸۷۹)

ترجمہ: سترہ کے لئے کجاوے کے پچھلے حصے کے برابر کوئی چیز کافی ہے، اگرچہ بال کی باریکی کے مثل ہو (ترجمہ ختم)

اس حدیث کو بعض نے صحیح اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

معناه يكفي، قال الله تعالى :(وَاتَّقُواْ يَوْمًا لَّا تَجْزِى نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلاَ يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَعَةٌ وَلاَ يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلاَ هُمْ يُنصَرُونَ) (البقرة48 :) ، قال :وطول السهم قدر ذراع وغلظه قدر إصبع، وقال عليه السلام : إذا صلى أحدكم وبين يديه أجرة الرجل أو واسطة الرجل فليصلِ إليها ولا يبالى ما مر به من كل كلب أو حمار، وأجرة الرجل وواسطته يبلغ قدر ذراع، وأما إذا كان طول السترة أقل من ذراع ففيه اختلاف المشايخ .قال شيخ الإسلام خواهر زاده :فعلى هذا إذا وضع قباه أو حقيبته بين يديه إن كان ارتفع قدر ذراع يصير بلا خلاف وإن كان دون ذلك يكون فيه خلافاً .(المحيط البرهانى، الفصل التاسع عشر فى المرور بين يدى المصلى وفى دفع المصلى المارّ، واتخاذ السترة ومسائلها)

الخامس أن المستحب أن يكون مقدارها ذراعا فصاعدا لحديث مسلم عن عائشة (سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن سترة المصلى فقال بقدر مؤخرة الرحل) ومؤخرة بضم الميم وهمزة ساكنة وكسر الخاء المعجمة العود الذى فى آخر الرحل من كور البعير وفسرها عطاء بأنها ذراع فما فوقه كما أخرجه أبو داود. السادس اختلفوا فى مقدار غلظها ففى الهداية وينبغى أن تكون فى غلظ الإصبع لأن ما دونه لا يبدو للناظر وكان مستنده ما رواه الحاكم مرفوعا (استتروا فى صلاتكم ولو بسهم) ويشكل عليه ما رواه الحاكم عن أبى هريرة مرفوعا (يجزء من الستر قدر مؤخرة الرحل ولو بدقة شعرة) ولهذا جعل بيان الغلظ فى البدائع قولا ضعيفا وأنه لا اعتبار بالعرض وظاهره أنه المذهب (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فى الصلاة)

وإنما قدر أدناه بذراع طولا دون اعتبار العرض ، وقيل :ينبغى أن يكون فى غلظ أصبع ؛ لقول ابن مسعود يجزء من السترة السهم ؛ ولأن الغرض منه المنع من المرور ، وما دون ذلك لا يبدو للناظر من بعيد فلا يمتنع ويدنو من السترة ؛ لقوله صلى الله عليه وسلم (من صلى إلى سترة فليدن منها) (بدائع الصنائع ، كتاب الصلاة، فصل بيان مايستحب فى الصلاة)

۱؎ قال الحاكم: " .هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ مُفَسَّرًا بِذِكْرِ دِقَّةِ الشَّعْرِ " وقال الذهبى فى التلخيص: على شرطهما.

حديث :يجزىء من السترة مثل مؤخر الرحل ، ولو بدقة شعرة .رواه محمد بن القاسم الأسدى :عن ثور :عن مكحول ، عن يزيد بن جابر ، عن أبى هريرة .ومحمد متروك (ذخيرة الحفاظ تحت حديث رقم ۲۴۹۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اگر انگلی وغیرہ کے برابر کوئی موٹی چیز میسر نہ ہو، تو باریک چیز کے بھی سترہ بنانے کی گنجائش ہے، اور مذکورہ حدیث اسی ضرورت پر محمول کی جاسکتی ہے۔ [۱]

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ عَصًا فَلْيَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لاَ يَضُرُّهُ مَا مَرَّ أَمَامَهُ (ابو داؤد حديث نمبر ۶۸۹، كتاب الصلاة، باب الخط إذا لم يجد عصا، واللفظ له، ابنِ ماجة حديث نمبر ۹۳۳، مسند احمد حديث نمبر ۷۶۱۵، وحديث نمبر ۷۴۶۱، وحديث نمبر ۷۳۹۲، وحديث نمبر ۷۳۹۳، وحديث نمبر ۷۳۹۴، مصنف عبدالرزاق حديث نمبر ۲۲۸۶، صحيح ابنِ خزيمة حديث نمبر ۸۱۵، سنن البيهقى حديث نمبر ۳۶۰۱، صحيح ابنِ حبان حديث نمبر ۲۳۷۶، مصنف ابنِ ابى شيبة حديث نمبر ۲۹۳۶، مسند الطيالسى حديث نمبر ۲۷۰۶)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے، تو اپنے سامنے کسی چیز کو (سترہ) بنالے، اور اگر کوئی چیز میسر نہ ہو، تو لاٹھی کو ہی گاڑ لے، اور اگر کسی کے پاس لاٹھی بھی نہ ہو، تو اپنے سامنے ایک خط کھینچ دے، پھر اس کے سامنے سے گزرنے والا اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہوگا (ترجمہ ختم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال التِّرمِذِىّ :قد تكلم فيه أحمد بن حنبل وضعفه .وَقَال النَّسَائى :ليس بثقة ، كذبه أحمد بن حنبل .وَقَال أبو بكر بن أَبى خيثمة ، عن يحيى بن مَعِين :ثقة ، وقد كتبت عنه .وَقَال أبو حاتم :ليس بقوى ، ولا يعجبنى حديثه .وَقَال أبو عُبَيد الآجرى :سألت أبا داود عن محمد بن القاسم الأسدى ، فقال :غير ثقة ، ولا مأمون ، أحاديثه موضوعة .قال أبو عُبَيد :وأظن أبا داود أراد عُبَيد بن القاسم ، والله أعلم .وَقَال أبو أحمد بن عدى : وعامة حديثه لا يتابع عليه(تهذيب الكمال ج۲۶ ص ۳۳۰)

[۱] ووجه التطبيق بينهما ان اجزاء السترة الدقيقة كالشعر اذا لم يجد شيئا بغلظ الاصبع كاجزاء الخط اذا لم يجد عصا، بمعنى انها تجزئ لربط الخيال وجمع الخاطر فى الجملة ، واما اذا وجد شيئا عرضه غلظ الاصبع فهو اولى والاستتار به اكمل، لان حصول المقصود به اتم، وقال فى البحر جعل بيان الغلظ فى البدائع قولا ضعيفا، وانه لااعتبار بالعرض وظاهره انه المذهب اهـ(۲:۱۷)

وحاصله ترجيح روايه الحاكم هذه على الروايات التى فيها ذكر السهم ، والامر بالاستتار به، ولعل الجمع بالوجه الذى ذكرناه اولى، فان اعمال الروايتين خير من اهمال احداهما(اعلاء السنن ج۵ ص ۱۷، باب استحباب السترة فى ممر الناس)

اس حدیث کی سند قابلِ استدلال ہے۔ ۱؎

۱؎ قال ابن حبان: عمرو بن حريث هذا شيخ من أهل المدينة روى عنه سعيد المقبرى وابنه أبو محمد يروى عن جده وليس هذا بعمرو بن حريث المخزومى ذلک له صحبة وهذا عمرو بن حريث بن عمارة من بنى عذرة سمع أبو محمد بن عمرو بن حريث جده حريث بن عمارة عن أبى هريرة(صحيح ابنِ حبان، حواله بالا) أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّان، وَلَمْ يُصِبْ مَنْ زَعَمَ أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ بَلْ هُوَ حَسَنٌ (بلوغ المرام ، تحت حديث رقم ۱۸۴ ،كتاب الصلاة، باب سترة المصلى)

الشَّافِعِيُّ فِي الْقَدِيمِ وَأَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُد وَابْنُ مَاجَهْ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْبَيْهَقِيُّ وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ وَابْنُ الْمَدِينِيِّ فِيمَا نَقَلَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ فِي الِاسْتِذْكَارِ .وَأَشَارَ إلَى ضَعْفِهِ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَالْبَغَوِيُّ وَغَيْرُهُمْ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الْبُوَيْطِيِّ وَلَا يَخُطُّ الْمُصَلِّي بَيْنَ يَدَيْهِ خَطًّا إلَّا أَنْ يَكُونَ فِي ذَلِكَ حَدِيثٌ ثَابِتٌ وَكَذَا قَالَ فِي سُنَنِ حَرْمَلَةَ قُلْتُ وَأَوْرَدَهُ ابْنُ الصَّلَاحِ مِثَالًا لِلْمُضْطَرِبِ وَنُوزِعَ فِي ذَلِكَ كَمَا بَيَّنْتُهُ فِي النُّكَتِ وَرَوَاهُ الْمُزَنِيّ فِي الْمَبْسُوطِ عَنْ الشَّافِعِيِّ بِسَنَدِهِ وَهُوَ مِنْ الْجَدِيدِ فَلَا اخْتِصَاصَ لَهُ بِالْقَدِيمِ(التلخيص الحبير، تحت حديث رقم ۴۶۱، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة)

قوله (ص)" ومن أمثلته:فذكر حديث الخط للمصلى إذا لم يجد سترة واستدرک عليه شيخنا ما فاته من وجوه الاختلاف فيه وبقيت (فيه) وجوه أخرى لم أر الإطالة بذكرها، ولكن بقى أمر يجب التيقظ له .وذلک أن جميع من رواه عن إسماعيل بن أمية، عن هذا الرجل إنما وقع الاختلاف بينهم فى اسمه أو كنيته، وهل روايته عن أبيه أو عن جده أو عن أبى هريرة بلا واسطة، وإذا تحقق الأمر لم يكن فيه حقيقة الاضطراب .لأن الاضطراب هو :الاختلاف الذى يؤثر قدحا.واختلاف الرواة فى اسم رجل لا يؤثر ذلک، لأنه إن كان ذلک الرجل ثقة فلا ضير، وإن كان غير ثقة فضعف الحديث إنما هو من قبل ضعفه لا من قبل اختلاف الثقات فى اسمه فتأمل ذلک .ومع ذلک كله فالطرق التى ذكرها ابن الصلاح، ثم شيخنا قابلة لترجيح بعضها على بعض والراجحة منها يمكن التوفيق بينها بينها فينتفى الاضطراب أصلا ورأسا.

تنبيه :قول ابن عيينة :لم نجد شيئا يشد به هذا الحديث ولم يجىء إلا من هذا الوجه فيه نظر، فقد رواه الطبرانى من طريق أبى موسى الأشعرى وفى إسناده أبو هارون العبدى وهو ضعيف.

(شاهدان للحديث:)

ولكنه واردعلى الإطلاق، ثم وجدت له شاهدا آخر وإن كان موقوفا .أخرجه مسدد فى "مسنده الكبير" قال :ثنا هشيم/(ى 259) ثنا خالد الحذاء عن إياس بن معاوية، عن سعيد بن جبير قال":إذا كان الرجل يصلى فى فضاء فليركز بين يديه شيئا فإن لم يستطيع أن يركزه، فليعرضه، فإن لم يكن معه شىء ، فليخلط خطا فى الأرض ."رجاله ثقات وقول البيهقى" :إن الشافعى -رضى الله عنه -ضعفه ."فيه نظر، فإنه/(ب 305) احتج به فيما وقفت عليه، فى المختصر الكبير للمزنى -و الله أعلم .-ولهذا صحح الحديث أبو حاتم ابن حبان والحاكم وغيرهما .وذلک مقتضى لثبوت عدالته عند من صححه .فما يضره مع ذلک أن لا ينضبط اسمه إذا عرفت ذاته -والله تعالى أعلم (النكت على ابن الصلاح لابن حجر العسقلانى، النوع التاسع عشر :المضطرب)

(وراجع للتفصيل ”البدرالمنير فى تخريج الاحاديث والآثار الواقعة فى الشرح الكبير، باب شروط الصلاة، الحديث التاسع والثلاثون)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نمازی کو اپنے سامنے سترہ کے لئے زمین پر کوئی چیز کھڑی کرنے کے لئے میسر نہ ہو، تو ایسی صورت میں زمین پر خط کھینچ دینا بھی سترہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ [۱]

---

[۱] عن أبي هريرة قال قال رسول الله إذا صلى أحدكم أي أراد الصلاة فليجعل تلقاء وجهه أي حذاءه لكن إلى أحد حاجبيه لا بين عينيه شيئا أي بناء أو شجرا أو عودا أو عمودا فإن لم يجد أي شيئا منصوبا فلينصب عصاه في شرح المنية ولو ألقى عصاه بين يديه ولم يغرزها قيل يجزئه عن السترة وقيل لا وفي الكفاية يضع طولا لا عرضا ليكون على مثال الغرز فإن لم يكن معه عصا فليخطط بضم الطاء خطا حتى يبين فصلا فلا يتخطى المار وهو دليل على جواز الإقتصار عليه وهو قول قديم للشافعي قاله الطيبي وهو رواية عندنا فقيل يخط خطا كالمحراب وقيل من جهة يمينه إلى شماله كذا في شرح المنية وقيل المختار أن يكون طولا من قدامة نحو القبلة وقال ابن الملك هذا هو المستحب وقال ابن عيينة رأيت شريكا صلى بنا فوضع قلنسوته بين يديه ثم لا يضره أي بعد استتاره ما مر أمامه أي أمام سترته رواه أبو داود وابن ماجه قال ابن عيينة لم نجد شيئا نشد به هذا الحديث ولم يجيء إلا من هذا الوجه وقد أشار الشافعي إلى ضعفه واضطرابه قال أبو داود وسمعت أحمد بن حنبل سئل عن وصف الخط غير مرة فقال هكذا عرضا مثل الهلال وقال أبو داود وسمعت مسددا قال قال أبو داود الخط بالطول قال القاضي عياض وقد اختلف في الخط فقيل يكون مقوسا كهيئة المحراب وقيل قائما ممدودا بين يدي المصلي إلى القبلة وقيل من جهة يمينه إلى شماله قال ولم ير مالك وعامة العلماء الخط اه قال الأبهري منهم أبو حنيفة يعني في رواية وقال النووي قال جمهور أصحابنا باستحبابه قال ابن حجر صححه أحمد وابن المديني وابن المنذر وابن حبان وغيرهم وقال البيهقي لا بأس بالعمل وبه وإن اضطرب إسناده في مثل هذا الحكم إن شاء الله تعالى وجزم بضعفه النووي وقاس الأئمة على الخط المصلى كسجادة مفروشة وهو قياس أولوي لأن المصلى أبلغ في دفع المار من الخط السابق واختلف أن الترتيب للأكملية أو الأحقية (مرقاة، كتاب الصلاة، باب السترة، الفصل الثاني)

والحاصل ان الحديث لم يثبت عند القدماء من فقهاء نا فلم ياخذوا به، وصح عندالمتاخرين منهم فاخذوا به، والرواية عن محمد مختلفة ولكل وجهة، والامر فيه سعة، واختلاف الائمة رحمة، ولقد انصف البيهقي حيث قال: لاباس به في مثل هذا الحكم ان شاء الله تعالىٰ اهـ،فالعمل به اولىٰ، لاسيما وجمع الخاطر ايضا مقصود، وهو حاصل بالخط، كما عن ابن الهمام، ولو سلم انه غير مفيد فلا ضرر فيه مع مافيه من العمل بالحديث الذي يجوز العمل به في مثله، وفي قوله ﷺ ثم لايضر من مر بين يديه،دلالة على انه يضر اذا لم يفعل ذلك، اما بقطع الصلاة عند البعض، واما بنقص الخشوع عندالجمهور (اعلاء السنن ج۵ ص ۶۹، باب استحباب السترة في ممر الناس)

وقال المصنف :يخط بين يديه خطا إلى القبلة، وقال غيره :يخطه يمينا وشمالا كالجنازة، والمختار استحباب الخط؛ لأنه -وإن لم يثبت الحديث -ففيه تحصيل حريم للمصلي، وقد قدمنا اتفاق العلماء على العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال دون الحلال والحرام، وهذا من نحو فضائل الأعمال، والمختار في كيفيته ما ذكر المصنف .وممن جزم باستحباب الخط القاضي أبو حامد المروزي والشيخ أبو حامد والقاضي أبو الطيب والبندنيجي، وأشار إليه البيهقي وغيره .قال الغزالي والبغوي وغيرهما :وإذا لم يجد شاخصا بسط مصلاه (المجموع شرح المهذب ج۷ ص ۲۳)

سترہ سامنے کس جگہ اور کتنے فاصلہ پر رکھنا چاہئے

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم -يُصَلِّى إِلَى عُودٍ وَلاَ عَمُودٍ وَلاَ شَجَرَةٍ إِلاَّ جَعَلَهُ عَلَى حَاجِبِهِ الأَيْمَنِ أَوِ الأَيْسَرِ وَلاَ يَصْمُدُ لَهُ صَمْدًا (ابوداؤد حديث نمبر ۶۹۳، كتاب الصلاة، باب إذا صلى إلى سارية أو نحوها أين يجعلها منه، واللفظ لهٗ، المعجم الكبير للطبراني حديث نمبر ۱۶۹۹۸، سنن البيهقى حديث نمبر ۳۶۰۹، شرح السنة للبغوى، باب الدنو من السترة، معجم الصحابة لابنِ قانع حديث نمبر ۱۷۰۳)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب بھی کسی لکڑی اور ستون اور درخت کی طرف نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو آپ ﷺ نے اس کو اپنی دائیں ابرو یا بائیں ابرو کے سامنے کیا، اور اس کو اپنے بالکل سامنے (یعنی وسط میں) نہیں کیا (ترجمہ ختم)

اس حدیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ سترہ کا اپنے سامنے بالکل وسط میں (یعنی ناک کی سیدھ میں اور آنکھوں کے درمیان) کرنے کے بجائے اپنے دائیں یا بائیں کرنا چاہئے، تاکہ بت پرستوں اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔

اور دائیں جانب کو بائیں جانب پر افضلیت حاصل ہے (کیونکہ دائیں جانب کا پہلے ذکر ہے) [1]

---

[1] ما رأيت رسول الله يصلى إلى عود كالعصا ولا عمود كالأسطوانة ولا شجرة إلا جعله على حاجبه أى جانبه الأيمن أو الأيسر ولا يصمد له بضم الميم أى لا يقصد صمدا أى قصدا مستويا بحيث يستقبله بما بين عينيه حذرا عن التشبه بعبادة الأصنام رواه أبو داود قال ابن حجر وأحمد لكن فى إسناده من ضعف ومع ذلك هو حجة فيما نحن فيه لأنه من الفضائل (مرقاة، كتاب الصلاة، باب السترة)

والسادس :ينبغى أن يجعل السترة على أحد جانبيه إما الأيمن أو الأيسر، والأفضل أن يجعلها على جانبه الأيمن، قال فى الكتاب؛ لأن النبى عليه السلام لم يصل إلى شجرة ولا إلى عمود إلا جعله على جانبه الأيمن(المحيط البرهانى، الفصل التاسع عشر فى المرور بين يدى المصلى وفى دفع المصلى المارّ، واتخاذ السترة ومسائلها)

قوله " :ولا يَصْمد له صَمْداً "من صَمدتُ الشيء صَمْداً :قَصدته .قال الجوهرى :صَمَده يصمُده صمْداً : قصده .قلت :من باب نَصر ينصرُ .والصَمَد :السيد الذى يُصمَد إليه فى الحوائج، أى :يقصد فيها .وبهذا الحديث :استند أصحابنا أنه يجعلُ السترة على حاجبه الأيْمن أو الأيْسرِ .وقال صاحب "الهداية :"ويجعلُ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

نیز سترہ کا نمازی کو اپنے سامنے قریب رکھنا سنت ہے،اورزیادہ فاصلہ پر رکھنا مناسب نہیں۔
چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم - إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا (ابوداؤد حديث نمبر ۶۹۸،كتاب الصلاة،باب ما يؤمر المصلى أن يدرأ عن الممر بين يديه،واللفظ لهٗ، سنن البيهقى حديث نمبر ۳۵۸۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے،تو سترہ کی طرف نماز پڑھے،اوراس کے قریب ہوکر کھڑا ہو(ترجمہ ختم)

اورحضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ :إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ ، وَلْيَقْتَرِبْ مِنَ السُّتْرَةِ ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ "(شرح السنة للامام البغوى، باب الدنو من السترة)

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے،تواسے چاہئے کہ(اپنے سامنے)سترہ کرلے،اورسترہ کو اپنے قریب رکھے، کیونکہ شیطان اس کے سامنے سے گزرتا ہے(ترجمہ ختم)

اورحضرت نافع بن جبیر بن مطعم سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم -قَالَ : إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْ سُتْرَتِهِ ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَمُرُّ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا (سنن البيهقى حديث نمبر ۳۶۱۵،واللفظ لهٗ،مصنف عبدالرزاق حديث نمبر ۲۳۰۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے،تو سترہ کی طرف نماز پڑھے،اورسترہ کو قریب رکھے، کیونکہ شیطان اس کے اورسترہ کے درمیان سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

السترة على جانبه الأيمن أو على الأيسر، به ورَد الأثرُ(شرح ابى داؤد للعينى، كتاب الصلاة، باب إذا صلى إلى سارية أو نحوها أين يجعلها منه)

العاشر أن السنة أن يجعلها على أحد حاجبيه لحديث أبى داود عن المقداد بن الأسود قال (ما رأيت رسول الله ﷺ يصلى إلى عود أو شجرة إلا جعله على حاجبه الأيمن أو الأيسر ولا يصمد إليه صمدا)أى لا يقابله مستويا مستقيما بل كان يميل عنه كذا فى المغرب (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فى الصلاة)

گزرتا ہے(ترجمہ ختم)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُتْرَةٍ ، وَلْيَدْنُ مِنْهَا ، كَيْ لاَ يَمُرَّ الشَّيْطَانُ أَمَامَهُ(مصنف ابن ابی شیبة حدیث نمبر ۲۸۹۴)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے،تو سترہ کی طرف نماز پڑھے،اور سترہ کو قریب رکھے، تاکہ شیطان اس کے سامنے سے نہ گزر سکے(ترجمہ ختم)

نیز صحیح حدیث میں حضور ﷺ کا قبلے والی دیوار سے (جو کہ سترہ کے قائم مقام تھی) تین ہاتھ (تین بالشت) کے فاصلے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مذکور ہے۔ [۱]

ان احادیث وروایات کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ نمازی کا سترہ کو ممکنہ حد تک اپنے قریب کرنا سنت ہے۔اور ہمارے فقہائے کرام نے اس کی حد تین ہاتھ (یعنی چھ بالشت یا ساڑھے چار فٹ) بیان کی ہے، جو کہ ایک صف کے برابر جگہ بنتی ہے،اور اتنی جگہ میں آدمی کو آسانی رکوع وسجدہ کرنا ممکن ہے۔ [۲]

---

[۱] عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ مَشَى قِبَلَ وَجْهِهِ حِينَ يَدْخُلُ وَجَعَلَ الْبَابَ قِبَلَ ظَهْرِهِ فَمَشَى حَتَّى يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِي قِبَلَ وَجْهِهِ قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ صَلَّى يَتَوَخَّى الْمَكَانَ الَّذِي أَخْبَرَهُ بِهِ بِلَالٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِيهِ قَالَ وَلَيْسَ عَلَى أَحَدِنَا بَأْسٌ إِنْ صَلَّى فِي أَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَاءَ (بخاری، حدیث نمبر ۴۷۶، بَاب الصَّلَاةِ بَيْنَ السَّوَارِي فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ)

والمراد بالقبلة :السترة هنا ، وأصلها كل ما يستقبل ، فيندب أن يصلي إلى سترة لا تبعد عنه أكثر من ذلك ، والأولى إلى شاخص كجدار ولا يعمد له بل بسامت أحد جانبيه ، فإن فقد الشاخص فإلى عصى مغروز أو متاع موضوع ارتفاعهما ثلثا ذراع ثم يفرش مصلى ثم يخط خطا من قدميه طولا إلى القبلة ، وحينئذ يحرم المرور بينه وبين السترة فإن صلى لا إلى شيء مما مر أو بعد عنه فوق ثلاثة أذرع كره المرور (فيض القدير للمناوى، حديث نمبر ۹۵۷)

[۲] والخامس :ينبغي للمصلي أن يقرب إلى السترة، قال عليه السلام :من صلى إلى سترة فليدن منها (المحيط البرهانى، الفصل التاسع عشر فى المرور بين يدى المصلى وفى دفع المصلى المارّ، واتخاذ السترة ومسائلها)

التاسع أن السنة القرب منها لحديث أبى داود مرفوعا (إذا صلى أحدكم فليصل إلى سترة وليدن منها) وذكر العلامة الحلبى أن السنة أن لا يزيد ما بينه وبينها على ثلاثة أذرع (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فى الصلاة)

والذى يظهر أنه ترك ذلك للاكتفاء بالقرب من الجدار كما تقدم أنه كان بين مصلاه والجدار نحو ثلاثة أذرع وبذلك ترجم له النسائى على أن حد الدنو من السترة أن لا يكون بينهما أكثر من ثلاثة أذرع (فتح البارى لابن حجر، باب إغلاق البيت ويصلى فى أى نواحى البيت شاء)

نمازی کے سامنے سے گزرنے اور سترہ سے متعلق چند متفرق مسائل

اب نمازی کے سامنے سے گزرنے اور سترہ سے متعلق چند مختلف ومتفرق مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ:...... فقہائے کرام نے احادیث وروایات میں غور وفکر کرتے ہوئے نمازی کے سامنے سے گزرنے کی ممانعت کو ایک خاص فاصلے تک محدود قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں بعض حضرات نے نمازی کی جگہ سے تین ہاتھ (یعنی چھ بالشت یا ساڑھے چار فٹ) سے زیادہ کے فاصلے سے گزرنے کی اجازت دی ہے، جس کی اُس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے، جس میں سترہ کے اتنی مقدار کے ہی فاصلے پر ہونے کا ذکر ہے، اور اتنے فاصلہ پر ہی نمازی کا گزرنے والے کی گردن وغیرہ پر ہاتھ حائل کر کے روکنا ممکن ہے۔

اور کیونکہ اس فاصلہ کا اعتبار نماز پڑھنے والے کے قیام کی جگہ یعنی قدموں سے کیا گیا ہے، اس لئے بعض حضرات نے اس فاصلہ کا اعتبار نماز پڑھنے والے کے قدموں سے کیا ہے۔

جبکہ بعض حضرات نے اس فاصلہ کا اعتبار سجدہ کی جگہ سے کیا ہے، کیونکہ انہوں نے اس سے کم فاصلہ پر گزرنے والے کو نمازی کے خشوع میں مخل سمجھا ہے، اور جب نمازی سجدے کی جگہ پر نظر جما کر نماز میں قیام کرتا ہے (جو کہ مستحب ہے) تو اس کی نظر تقریباً تین ذراع آگے تک کام کرتی ہے۔

گویا کہ ان حضرات کے نزدیک مجموعی فاصلہ چھ ذراع (یعنی بارہ بالشت یا نو فٹ) بنتا ہے، جو کہ تقریباً دو کھلی ڈلی صفوں (فی صف تین ذراع کے حساب سے) کی مقدار کے برابر جگہ ہے، ایک وہ صف جس میں کھڑا ہو کر نمازی نماز پڑھ رہا ہے، اور ایک اس سے اگلی صف۔

پس اس قول کی رُو سے دو کھلی ڈُلی صفیں چھوڑ کر تیسری صف سے گزرنے کی گنجائش ہوگی۔ [۱]

ان دونوں اقوال میں سے دوسرے قول میں احتیاط ہے، لہٰذا عام حالات میں اسی پر عمل کرنا چاہئے، اور ضرورت کے وقت پہلے قول پر بھی عمل کی گنجائش ہے۔ [۲]

---

[۱] اور آج کل شہری آبادی میں بہت سی جگہ ایک صف چار فٹ کی بنائی جاتی ہے، جو تین ذراع مقدار کی پوری نہیں ہوتی، بلکہ اس سے آدھا فٹ کم ہوتی ہے، لہٰذا اگر صف کی مقدار چار فٹ ہو، تو تیسری صف میں ایک فٹ کی مزید جگہ چھوڑ کر گزرنے کی گنجائش ہے۔

[۲] مقدار موضع یکرہ المرور فیہ فقیل موضع سجودہ وھو اختیار شمس الأئمة السرخسی وشیخ الإسلام قاضیخان وقیل مقدار صفین أو ثلاثة وقیل بثلاثة أذرع وقیل بخمسة أذرع وقیل بأربعین ذراعا وقدر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض حضرات نے مذکورہ فاصلے پر گزرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا، کہ اتنے فاصلہ پر گزرنے کی گنجائش اس صورت میں ہے، جبکہ کوئی جنگل (یعنی فضا ومیدان) میں یا اتنے بڑے کسی ہال کمرے یا صحن یا اتنی بڑی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو، جو کہ (شرقاً وغرباً) چالیس ہاتھ (ساٹھ فٹ) یا اس سے زیادہ بڑا ہو۔ اور اس سے چھوٹی مسجد یا ہال یا صحن میں قبلہ کی طرف والی دیوار تک گزرنے کی گنجائش نہیں (اور زیادہ احتیاط اسی پر عمل کرنے میں ہے، مگر یہ کہ کوئی مجبوری ہو، تو پھر ایک صف اور احتیاطاً دو صف چھوڑ کر گزرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ پہلے گزرا) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الشافعي وأحمد بثلاثة أذرع ولم يحد مالك في ذلك حدا إلا أن ذلك بقدر ما يركع فيه ويسجد ويتمكن من دفع من مر بين يديه (عمدة القارى، باب يرد المصلى من مر بين يديه)

قلتُ: يشهد لتقييده بثلاثة اذرع حديث نافع المذكور قريباً فى الباب السابق، واستحسنه شيخنا كما حكاه عنه بعض الناس فى مسودة "كتابه"، قال: "وهو الارجح نظراً الى العلة ايضاً، وهو عدم تضرر المصلى والمار، فان المصلى ينقطع خشوعه اذا كان اقل منه، والمار يتضر منه اذا كان اكثر منه. اه .

قلت: وهو يقرب مما اختاره فخر الاسلام وصححه فى النهاية وقواه المحقق فى الفتح أنه إن كان بحال لو صلى صلاة الخاشعين نحو أن يكون بصره فى قيامه فى موضع سجوده وفى موضع قدميه فى ركوعه وإلى أرنبة أنفه فى سجوده وفى حجره فى قعوده وإلى منكبه فى سلامه لا يقع بصره على المار لا يكره، اه.

وقد جربت ذالك فظهر لى انه اذا كان بصره فى قيامه فى موضع السجود لايجاوز ثلاثة اذرع فالتقدير بذالك موافق للاثر ولمختار اجلة الفقهاء من اصحابنا، قال المحقق (فى فتح القدير) والذى يظهر ترجح ما اختاره فى النهاية من مختار فخر الإسلام وكونه من غير تفصيل بين المسجد وغيره ، فإن المؤثم المرور بين يديه ، وكون ذلك البيت برمته اعتبر بقعة واحدة فى حق بعض الأحكام لا يستلزم تغيير الأمر الحسى من المرور من بعيد فيجعل البعيد قريبا اه. (۱: ۳۵۴، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها) (اعلاء السنن، جلد۵، صفحه ۸۰، ۸۱، باب كراهة المرور تحريما بين يدى المصلى فى موضع السجود، الخ)

وفى شرح السنة إنما يكره المرور بين يدى المصلى إذا لم يكن عنده حائل نحو السترة فإنه لا يكره المرور من وراء الحائل وأيضا إنما يكره المرور عند عدم الحائل إذا مر فى موضع سجوده وهو الأصح وهو مختار السرخسى وفى النهاية الأصح أنه لو صلى صلاة الخاشعين بأن يكون بصره حال قيامه إلى موضع سجوده لا يقع بصره على المار لا يكره وهو مختار فخر الإسلام وقيل هذا فى الصحراء أما فى المسجد الصغير فيكره مطلقا وأما الكبير فقيل هو كالصغير وقيل كالصحراء ورجح ابن الهمام ما ذكره فى النهاية من غير تفصيل بين المسجد وغيره والله أعلم(مرقاة، كتاب الصلاة، باب السترة)

[1] اور چالیس ہاتھ کا یہ فاصلہ شرقاً وغرباً یعنی طول میں معتبر ہے، کیونکہ مدار اس پر ہے، کہ مسجد اتنی بڑی ہو کہ جس میں اگر مصلی کے سامنے سے دور سے گزرے تو بُعد کافی ہو جائے، جس سے تشویش مصلی کو لاحق نہ ہو، اور اس امر مقدارِ طول کو دخل ہے نہ کہ عرض کو، نیز شامی میں کہا ہے:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:......نمازی کے آگے سے بغیر سترہ کے گزرنے میں گناہ گار ہونے نہ ہونے کی چار صورتیں ہیں، ایک یہ کہ گزرنے والا نمازی کے سامنے سے گزرنے پر مجبور نہیں، اور نمازی نے راستہ بھی روکا ہوا نہیں ہے، اس صورت میں گناہ صرف گزرنے والے پر ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فانہ رای المسجد الصغیر کبقعة واحدة منها یجعل جمیع مابین یدی المصلی الیٰ حائط القبلة مکانا واحدا بخلاف المسجد الکبیر والصحراء فانه لو جعل کذلک لزم اللحرج علی المارة فاقتصر علی موضع السجود اھـ(ص ۶۶۳ ج ۱)

ظاہر ہے کہ حرج علی المار میں مقدارِ طول ہی کو دخل ہے، نہ عرض کو، نیز جعل جمیع ما بین یدی المصلی الی حائط القبلة بھی اس کو مفید ہے، پس یہ مقدارِ طول جانبِ قبلہ کی ہے، اور عرض اس کے مناسب ہوگا (امداد الاحکام ج ا ص ۴۴۴)

جبکہ بعض حضرات نے مسجدِ کبیر و صغیر میں فرق کرتے وقت مربع مقدار (اربعین ذراعا فی اربعین ذراعا) کا اعتبار کیا ہے (ملاحظہ ہو: احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۹)

مگر ہمارے نزدیک دلائل کی رو سے امداد الاحکام کی تحقیق راجح ہے، اور اربعین ذراعا فی اربعین ذراعا کے متعلق کوئی مستند اور ٹھوس عبارت بالدلیل دستیاب نہ ہوسکی۔

نیز مسجد کا یہ مجموعی فاصلہ صرف مسجد کے اندرونی ہال کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ شرقاً وغرباً مسجد کی جتنی بھی حدود ہیں، بشمول برآمدہ وصحن کے، وہ سب اس میں شامل ہیں، کیونکہ شرعی مسجد کا اطلاق اس پورے حصہ پر ہوتا ہے۔

ولعل الفقهاء اخذوه من قوله ﷺ لو یعلم المار بین یدی المصلی فان لفظ بین یدیه لایطلق عرفا الا علی ماکان امامه قریبا منه، فحده بعضهم بموضع السجود ، وبعضهم بثلاثة اذرع ، ویؤیده ماوقع فی روایة ابی العباس السراج من طریق الضحاک بن عثمان عن ابی النضر :لویعلم المار بین یدی المصلی والمصلی الخ ذکره الحافظ فی الفتح وقال: والمصلی بفتح اللام اظهر(۱ :۴۸۴) وفیه اشعار بان المکروه هو المرور بین یدی موضع الصلاة وهوفی العرف موضع السجود او قریبا منه ، واللہ تعالیٰ اعلم (اعلاء السنن ج۵ ص ۸۳، ۸۴، باب حکم المرور بین یدی المصلی فی المسجد الحرام وغیره)

الثالث فی الموضع الذی یکره المرور فیه وفیه اختلاف واختار المصنف أنه موضع سجوده وصححه فی الکافی لأن هذا القدر من المکان حقه وفی تحریم ما وراءه تضییق علی المارة وهو یفید أن المراد بموضع سجوده موضع صلاته وهو من قدمه إلی موضع سجوده کما صرح به الشارح وهو مختار صاحب الهدایة وشمس الأئمة السرخسی وقاضی خان وفی المحیط أنه الأحسن لأن ذلک القدر موضع صلاته دون ما وراءه وذکر التمرتاشی أن الأصح أنه إن کان بحال لو صلی صلاة خاشع لا یقع بصره علی المار فلا یکره المرور نحو أن یکون منتهی بصره فی قیامه إلی موضع سجوده وفی رکوعه إلی صدور قدمیه وفی سجوده إلی أرنبة أنفه وفی قعوده إلی حجره وفی سلامه إلی منکبیه واختاره فخر الإسلام فإنه قال إذا صلی رامیا ببصره إلی موضع سجوده فلم یقع علیه بصره لم یکره وهذا حسن ....فحاصل المذهب علی الصحیح أن الموضع الذی یکره المرور فیه هو أمام المصلی فی مسجد صغیر وموضع سجوده فی مسجد کبیر أو فی الصحراء (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الاکل والشرب فی الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرے یہ کہ گزرنے والے کے لئے کسی اور طرف راستہ نہیں ہے، اور نمازی نے راستہ روک رکھا ہے، اس صورت میں گناہ صرف نمازی پر ہوگا، گزرنے والے پر نہیں۔

تیسرے یہ کہ نمازی نے اگرچہ راستہ روک رکھا ہے، مگر گزرنے والا کسی دوسری طرف سے بھی نکل سکتا ہے، تو اس صورت میں دونوں گناہ گار ہونگے، نمازی راستہ روکنے کی وجہ سے، اور گزرنے والا مجبور نہ ہونے کی وجہ سے۔

چوتھے یہ کہ نمازی نے راستہ نہیں روکا، اور گزرنے والے کو کسی اور طرف بھی راستہ نہیں ہے، تو اس میں دونوں میں سے کوئی بھی گناہ گار نہیں، کیونکہ دونوں معذور ہیں۔ [۱]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

(قوله إلى حائط القبلة) أى من موضع قدميه إلى الحائط إن لم يكن له سترة ، فلو كانت لا يضر المرور وراء ها على ما يأتى بيانه (قوله فى بيت) ظاهره ولو كبيرا .
وفى القهستانى :وينبغى أن يدخل فيه أى فى حكم المسجد الصغير الدار والبيت (قوله ومسجد صغير) هو أقل من ستين ذراعا ، وقيل من أربعين ، وهو المختار كما أشار إليه فى الجواهر قهستانى (قوله فإنه كبقعة واحدة) أى من حيث إنه لم يجعل الفاصل فيه بقدر صفين مانعا من الاقتداء تنزيلا له منزلة مكان واحد ، بخلاف المسجد الكبير فإنه جعل فيه مانعا فكذا هنا يجعل جميع ما بين يدى المصلى إلى حائط القبلة مكانا واحدا ، بخلاف المسجد الكبير والصحراء فإنه لو جعل كذلك لزم الحرج على المارة ، فاقتصر على موضع السجود ، هذا ما ظهر لى فى تقرير هذا المحل (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فروع مشى مستقبل القبلة هل تفسد)

و (يكره) المرورُ بين يدى المصلى، لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم " :وليَعْلم المارُّ بين يدى المصلى ماذا عليه، لكان أنْ يقف أربعين، خيراً من أن يمرَّ بين يديه "وهذا إذا مَرَّ بموضع سجوده فى الصحراء ، أو فى مسجد كبير، أو بين يديه (إلى حائط القبلة) فى مسجد صغير (أو فى بيت، ولو كبيراً، إن لم يكن له سترة)، والصغير هو أقلُّ من ستين ذراعاً، وقيل :من أربعين، وهو المختار .والإثم على المار، إذا لم يكن المصلى هو المتسبب (الدرر المباحة للنحلاوى، جزء ١، صفحه ٣٢٩)

[۱] وقد أفاد بعض الفقهاء أن هنا صورا أربعا :الأولى :أن يكون للمار مندوحة عن المرور بين يدى المصلى ولم يتعرض المصلى لذلك ، فيختص المار بالإثم إن مر .الثانية مقابلتها :وهى أن يكون المصلى تعرض للمرور والمار ليس له مندوحة عن المرور فيختص المصلى بالإثم دون المار .الثالثة :أن يتعرض المصلى للمرور ويكون للمار مندوحة فيأثمان ، أما المصلى فلتعرضه ، وأما المار فلمروره مع إمكان أن لا يفعل .الرابعة :أن لا يتعرض المصلى ولا يكون للمار مندوحة فلا يأثم واحد منهما كذا نقله الشيخ تقى الدين بن دقيق العيد رحمه الله تعالى .ا هـ .قلت :وظاهر كلام الحلية أن قواعد مذهبنا لا تنافيه حيث ذكره وأقره ، وعزا ذلك بعضهم إلى البدائع ولم أره فيها ، ولو كان فيها لم ينقله فى الحلية عن الشافعية فافهم .
والظاهر أن من الصورة الثانية ما لو صلى عند باب المسجد وقت إقامة الجماعة لأن للمار أن يمر على رقبته

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

مسئلہ:......اگر اگلی صف میں کوئی جگہ خالی چھوڑ کر پیچھے کھڑا ہو گیا، تو اب نماز میں شامل ہونے والے شخص کو اس خالی جگہ تک جانے کے لئے پیچھے نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا گناہ نہیں، کیونکہ اس صورت میں اصل جرم وقصور اس طرح آگے خالی جگہ چھوڑ کر پیچھے نماز پڑھنے والے کا ہے۔ [1]

مسئلہ:......افضل تو یہی ہے کہ سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ (دو بالشت) اور موٹائی انگلی کے برابر ہو، اور وہ لمبائی میں کھڑا ہوا ہو (جیسا کہ دیوار، ستون، کھمبا، درخت وغیرہ)

البتہ مجبوری کی صورت میں، یعنی جبکہ مذکورہ تفصیل کے مطابق کوئی چیز سترہ کے لئے میسر نہ ہو تو انگلی سے کم موٹی چیز کو (یہاں تک کہ مجبوری میں شیشہ یا اس کے دروازہ کو) سترہ بنا لینے کی گنجائش ہے۔

نیز اگر کسی چیز کو کھڑا نہ کیا جا سکتا ہو (جیسا کہ پختہ فرش پر کسی چیز کو گاڑنا مشکل ہوتا ہے) تو ایسی صورت میں کسی چیز کو زمین پر نمازی کا اپنے سامنے کے رخ پر (یعنی لمبائی میں شرقاً وغرباً) لٹا لینا بھی معتبر ہو جاتا ہے (الا عند البعض یکفی عرضا، ویکفی عند الضرورۃ القاء الثوب طولاً)

اور اگر کوئی چیز سترہ کے لئے میسر ہی نہ ہو، تو زمین پر لمبائی کی طرف خط (لکیر) کھینچ دینا بھی معتبر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كما يأتى ، وأنه لو صلى فى أرضه مستقبلا لطريق العامة فهو من الصورة الثالثة لأن المار مأمور بالوقوف وإن لم يجد طريقا آخر كما يظهر من إطلاق الأحاديث ما لم يكن مضطرا إلى المرور ، هذا إن كان المراد بالمندوحة إمكان الوقوف وإن لم يجد طريقا آخر ، أما إن أريد بها تيسر طريق آخر أو إمكان مروره من خلف المصلى أو بعيدا منه وبعدمها عدم ذلك فحينئذ يقال إن كان للمار مندوحة على هذا التفسير يكون ذلك من الصورة الثالثة أيضا وإلا فمن الصورة الثانية ويؤيد التفسير الأول قوله وأما المار فلمروره مع إمكان أن لا يفعل ، وكذا تعليلهم كراهة الصلاة فى طريق العامة بأن فيه منع الناس عن المرور ، فإن مفاده أنه لا يجوز لهم المرور وإلا فلا منع ، إلا أن يراد به المنع الحسى لا الشرعى ، وهو الأظهر .وعليه فلو صلى فى نفس طريق العامة لم تكن صلاته محترمة كمن صلى خلف فرجة الصف فلا يمنعون من المرور لتعديه فليتأمل (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاه ومايكره فيها)

أفاد بعض الفقهاء ، أن هنا صوراً أربعاً - :الأولى :أن يكون للمار مندوحة عن المرور بين يدى المصلى، ولم يتعرض المصلى لذلك، فيختص المار بالإثم، إن مرّ - .الثانية :مقابلتها، وهى أن يكون المصلى تعرض للمرور، والمار ليس له مندوحة عن المرور، فيختص المصلى بالإثم، دون المار - .الثالثة :أن يتعرض المصلى للمرور، ويكون للمار مندوحة، فيأثمان، لتعرض المصلى، ولإمكان المار أن لا يمرّ، وقد مرّ - . الرابعة :أن لا يتعرض المصلى، ولا يكون للمار مندوحة، فلا يأثم واحد منهما . (الدرر المباحة للنحلاوى، جزء ۱ صفحه ۳۳۰)

[1] وعليه فلو صلى فى نفس طريق العامة لم تكن صلاته محترمة كمن صلى خلف فرجة الصف فلا يمنعون من المرور لتعديه فليتأمل (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاه ومايكره فيها)

ہوجاتا ہے۔ لے

لے السابع أن من السنة غرزها إن أمكن ....الثامن أن فى استنان وضعها عند تعذر غرزها اختلافا فاختار فى الهداية أنه لا عبرة بالإلقاء وعزاه فى غاية البيان إلى أبى حنيفة ومحمد وصححه جماعة منهم قاضى خان فى شرح الجامع الصغير معللا بأنه لا يفيد المقصود وقيل يسن الإلقاء ونقله القدورى عن أبى يوسف ثم قيل يضعه طولا لا عرضا ليكون على مثال الغرز (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فى الصلاة)

الثالث عشر أنه إذا لم يجد ما يتخذه سترة فهل ينوب الخط بين يديه منابها ففيه روايتان الأولى أنه ليس بمسنون ومشى عليه كثير من المشايخ واختاره فى الهداية لأنه لا يحصل المقصود به إذ لا يظهر من بعيد والثانية عن محمد أنه يخط لحديث أبى داود (فإن لم يكن معه عصا فليخط خطا) وأجاب عنه فى البدائع بأنه شاذ فيما تعم به البلوى وصرح النووى بضعفه وتعقب بتصحيح أحمد وابن حبان وغيرهما له كما ذكره العلامة الحلبى وجزم به المحقق فى فتح القدير وقال إن السنة أولى بالاتباع مع أنه يظهر فى الجملة إذ المقصود جمع الخاطر بربط الخيال به كى لا ينتشر. الرابع عشر فى بيان كيفيته فمنهم من قال يخط بين يديه عرضا مثل الهلال ومنهم من قال يخطه بين يديه طولا وذكر النووى أنه المختار ليصير شبه ظل السترة (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فى الصلاة)

والتاسع ذكر أصحابنا أن المعتمد الغرز دون الإلقاء والخط لأن المقصود هو الدرء فلا يحصل بالإلقاء ولا بالخط وفى (مبسوط)شيخ الإسلام إنما يغرز إذا كانت الأرض رخوة فإذا كانت صلبة لا يمكنه فيضع وضعا لأن الوضع قد روى كما روى الغرز لكن يضع طولا لا عرضا (عمدة القارى، باب يرد المصلى من مر بين يديه)

والسابع :إذا تعذر غرز السترة أيضاً به الأرض أو للحجر لا يضعها بين يديه عند بعض المشايخ، وعند بعضهم؛ يضع؛ لأن الشرع كما ورد بالغرز ورد بالوضع، ولكن يضع طولاً؛ لأنه لو أمكنه الغرز غرز طولاً ففى الوضع يكون كذلك..........والتاسع :إذا لم يكن معه خشبة أو شىء يغرز أو يضع بين يديه هل يخط خطاً بين يديه، عامة المشايخ على أنه لا يخط، وهو رواية عن محمد، وقال بعض مشايخنا :يخط، وهو قول الشافعى، وهو رواية عن محمد أيضاً والذين قالوا بالخط، اختلفوا فيما بينهم فى كيفية الخط :قال بعضهم: يخط طولاً، وقال بعضهم :يخط كالمحراب، والله أعلم(المحيط البرهانى، الفصل التاسع عشر فى المرور بين يدى المصلى وفى دفع المصلى المارّ، واتخاذ السترة ومسائلها)

الرابع :أنه ينبغى لمن يصلى فى الصحراء أن يتخذ أمامه سترة لما رواه الحاكم وأحمد وغيرهما عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (إذا صلى أحدكم فليصل إلى سترة ولا يدع أحدا يمر بين يديه)وفى الصحيحين عن ابن عمر أيضا (كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا خرج يوم العيد أمر بالحربة فتوضع بين يديه فيصلى إليها والناس وراءه وكان يفعل ذلك فى السفر) وفى منية المصلى وتكره الصلاة فى الصحراء من غير سترة إذا خاف المرور بين يديه وينبغى أن تكون كراهة تحريم لمخالفة الأمر المذكور لكن فى البدائع والمستحب لمن يصلى فى الصحراء إن ينصب شيئا ويستتر فأفاد أن الكراهة تنزيهية فحينئذ كان الأمر للندب لكنه يحتاج إلى صارف عن الحقيقة قال العلامة الحلبى فى شرح المنية إنما قيد بقوله فى الصحراء لأنها المحل الذى يقع فيه المرور غالبا وإلا فالظاهر كراهة ترك السترة فيما يخاف فيه المرور أى موضع كان (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فى الصلاة)

السابع عشر أنه لا بأس بترك السترة إذا أمن المرور ولم يواجه الطريق لأن اتخاذ السترة للحجاب عن المار ولا حاجة بها عند عدم المار روى عن محمد أنه تركه فى طريق الحجاز غير مرة وقال العلامة الحلبى ويظهر أن الأولى اتخاذها فى هذا الحال وإن لم يكره الترك لمقصود آخر وهو كف بصره عما وراءها وجمع خاطره بربط الخيال بها .اهـ .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:......اگر دو شخص نمازی کے سامنے سے گزرنا چاہیں، اور کوئی سترہ میسر نہ ہو، تو ان میں سے ایک شخص نمازی کے سامنے پیٹھ کر کے کھڑا ہو جائے، اور دوسرا شخص اس کی آڑ میں گزر جائے، پھر پہلا شخص اسی طرح کرے، کہ وہ کھڑا ہو جائے، اور پہلے سے کھڑا ہوا اس کی آڑ سے گزر جائے، تو یہ جائز ہے۔

مسئلہ:......اگر کوئی اکیلا شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہتا ہے، اور نمازی کے سامنے کوئی سترہ نہیں ہے، تو گزرنے والا اپنے پاس موجود کسی چیز کو سترہ بنا کر گزر سکتا ہے، مثلاً کوئی لاٹھی، ڈنڈا وغیرہ زمین میں گاڑ کر، یا نمازی کے سامنے کوئی چیز رکھ کر، یا کوئی کپڑا وغیرہ اپنے ہاتھ میں لٹکا کر اس کے سامنے سے گزرنے کی گنجائش ہے، اور گزرنے کے بعد نمازی کے سامنے سے وہ چیز ہٹا لینا درست ہے (عمدۃ الفقہ، حصہ دوم، ص ۲۷۶)

مسئلہ:......اگر کوئی شخص کسی اونچی جگہ نماز پڑھتا ہے، تو اس کے سامنے سے گزرنا اس وقت منع ہے، جبکہ گزرنے والے کا کوئی عضو نمازی کے سامنے ہوتا ہو، ورنہ گناہ نہیں (ایضاً ص ۲۷۴)

مسئلہ:......احادیث میں نمازی کے سامنے سے گزرنے (مرور) پر وعید بیان کی گئی ہے، اور گزرنے (مرور) کی حقیقت یہ ہے کہ نمازی کے سامنے اس کی دائیں طرف سے بائیں طرف، یا بائیں طرف سے دائیں طرف گزرتے (کراس کرتے) ہوئے آر پار ہونا۔

جس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جو شخص نمازی کے سامنے موجود ہو، اس کا وہاں سے دائیں یا بائیں طرف ہٹنا جائز ہے، کیونکہ وہ گزرنے میں داخل نہیں (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۵۷، واحسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۰۸) [۱]

فقط واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

محمد رضوان ۲۸/ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ 08/ستمبر/2010ء ادارہ غفران، راولپنڈی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقيدوا بقولهم ولم يواجه الطريق لأن الصلاة فى الطريق أى فى طريق العامة مكروهة وعلله فى المحيط بما يفيد أنها كراهة تحريم بقوله لأن فيه منع الناس عن المرور والطريق حق الناس أعد للمرور فيه فلا يجوز شغله بما ليس له حق الشغل وإذا ابتلى بين الصلاة فى الطريق وبين أرض غيره فإن كانت مزروعة فالأفضل أن يصلى فى الطريق لأن له حقا فى الطريق ولا حق له فى الأرض وإن لم تكن مزروعة فإن كانت لمسلم يصلى فيها لأن الظاهر أنه يرضى به لأنه إذا بلغه يسر بذلك لأنه أحرز أجرا من غير اكتساب منه وفى الطريق لا إذن لأن الطريق حق المسلم والكافر وإن كانت لكافر يصلى على الطريق لأنه لا يرضى به .ا هـ .(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الاكل والشرب فى الصلاة)

[۱] ولو مر اثنان يقوم أحدهما أمامه ويمر الآخر ويفعل الآخر هكذا يمران(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

کیا آپ جانتے ہیں؟　ترتیب: مولانا محمد ناصر

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

وَٹّہ سَٹّہ اور طلاق کے نقصانات

(بسلسلہ: سوالات وجوابات)

مسجد امیر معاویہ میں مؤرخہ ۱۱رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ / ۱۱رجولائی ۲۰۰۳ء بعد نماز جمعہ کے سوالات اور حضرت مدیر کی طرف سے ان کے جوابات

ان مضامین کو ریکارڈ کرنے، ٹیپ سے نقل کرنے، اور ترتیب وتخریج نیز عنوانات قائم کرنے کی خدمت مولانا محمد ناصر صاحب نے انجام دی ہے، اور اب حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم کی نظرِ ثانی کے بعد انہیں شائع کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ ان خدمات کوشرفِ قبولیت عطافرمائیں......ادارہ

سوال:......نکاح میں وَٹّہ سَٹّہ کرنا معاشرتی اعتبار سے کیسا ہے؟

جواب:...... وَٹّہ سَٹّہ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی وغیرہ کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر کرے کہ دوسرا شخص اپنی بیٹی وغیرہ کا نکاح اس پہلے شخص کے ساتھ کرے گا، تو اگر اس نکاح میں دونوں لڑکیوں کا مہر علیٰحدہ علیٰحدہ مقرر ہو، اور اتفاقاً دو رشتے اکھٹے ہورہے ہوں، تو ایسا نکاح درست ہے، لیکن اگر مہر نہ رکھنے کی شرط لگادی اور ایک دوسرے کا رشتہ ہی مہر کے قائم مقام سمجھ لیا گیا، یا اور کوئی شریعت کے خلاف کام کیا گیا، تو اس طرح نکاح کرنا ممنوع اور گناہ ہوگا۔ یہ مروَّجہ وَٹّہ سَٹّہ ہے، جس کو عوض کا نکاح اور عوض کی شادی بھی کہا جاتا ہے، اس طریقہ میں بہت زیادتیاں اور بڑے بڑے ظلم ہورہے ہیں۔

بعض علاقوں اور خصوصاً سندھ وغیرہ کے علاقوں میں تو بہت بُرا حال ہے، اللہ بچائے۔

چنانچہ وہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک خاندان کی لڑکی کو نکاح کی ضرورت ہے، اور اس کے رشتہ کی تلاش ہے، اور دوسری طرف سے جوڑ کا رشتہ نہیں مل رہا تو کئی دفعہ بوڑھے آدمی سے کم عمر بچی کا رشتہ کردیا جاتا ہے، اور کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بہت چھوٹے بچے سے جوان لڑکی کا رشتہ کردیتے ہیں، تو اس طرح لڑکوں یا لڑکیوں پر ظلم ہوتا ہے، اور اگر ایک خاندان میں لڑکی کا رشتہ موجود ہو لیکن دوسرے خاندان کی لڑکی کا رشتہ موجود نہ

ہوتو جس لڑکی کا رشتہ موجود ہے، اُس کا بھی نکاح نہیں کیا جاسکتا، یہاں تک کہ لڑکی گھر میں بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہوجاتی ہے، اور شادی نہیں ہوتی، اور اس رسم کی وجہ سے زندگیاں تباہ کردی جاتی ہیں۔

اس وَٹّے سَٹّے میں ایک خرابی بعض اوقات یہ پیدا ہوتی ہے کہ بچپن میں نکاح کردیا جاتا ہے، اور بچپن میں کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ بڑا ہوکر جاہل رہے گا یا پڑھے لکھے گا، کیا بنے گا، بعض اوقات غلط سوسائٹی اور غلط ماحول کی وجہ سے عادتیں، اخلاق، اور جائز وناجائز پیشہ سامنے آتا ہے۔ پھر اختلافات ہوتے ہیں۔

اور بعض اوقات طلاقیں اکھٹی دو دو طرف سے ہوتی ہیں، اگر ایک خاندان میں میاں بیوی میں اختلاف ہوجائے، تو دوسری طرف کا ہنستا کھیلتا ہوا گھر محض رسم کی وجہ سے تباہ ہوجاتا ہے۔ تو اس وجہ سے مروّجہ وَٹّہ سَٹّہ کی بنیاد پر نکاح کرنے سے دو خاندانوں میں بے شمار اختلافات پیدا ہوجاتے ہیں۔ پھر آج کل جتنی طلاقیں اوپن (Open) ہوتی ہیں، اُن کی تعداد کم ہے، اور جو اندر ہی اندر گول کرلی جاتی ہیں، اُن کی تعداد زیادہ ہے، اس کے باوجود بھی دوسرے مسائل کی نسبت طلاق سے متعلقہ مسائل کی شرح زیادہ ہے۔

ہمارے معاشرے میں بے شمار لوگ تین تین طلاقیں دینے کے باوجود ان طلاقوں کو چھپا لیتے ہیں، بس میاں بیوی کا باہمی کمپرومائز (Compromise) کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔

حالانکہ صرف میاں بیوی کے آپس کے کمپرومائز (Compromise) سے کچھ نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کمپرومائز (Compromise) بھی ہونا چاہیے، تب جاکر میاں بیوی جائز، حلال اور سکون سے زندگی گزار سکیں گے۔

بعض اوقات آپس میں خاندان اور علاقہ کے ذمہ دار بیٹھ کر کمپرومائز (Compromise) کرادیتے ہیں کہ چلو جی اللہ کے لیے معاف کرو، مٹی پاؤ، آئندہ ایسی حرکت نہیں کروگے، شوہر کو بھی کہہ دیا کہ آئندہ نہیں کیا کرتے، اور بیوی کو بھی سمجھا دیا کہ آئندہ نہیں کیا کرتے، اور ملوا کر کہہ دیا کہ جاؤ، اللہ خوش رکھے۔

ایسا کام کرکے یہ لوگ اپنے آپ کو بہت بہادر اور عبادت گزار سمجھتے ہیں کہ ہم نے آپس میں نبھاؤ کرادیا، جبکہ مرد وعورت ساری زندگی منہ کالا کرتے رہیں گے، جس کا سبب یہ لوگ بنیں گے، پھر قبر میں جاکر اس حرام کاری کرانے پر جب گُرز اور ڈنڈے پڑیں گے تو یہ لوگ پوچھیں گے کہ یہ کون سا گرز ہے، تو کہا جائے گا کہ یہ وہ والا گُرز اور ڈنڈا ہے جو آپس میں جوڑ کرایا تھا، جس کو آپ کہہ رہے تھے کہ اللہ کے لیے معاف کرو۔

اس سلسلے میں دوکاندار مولویوں نے بھی ظلم کیا ہے، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ مولویوں کو ظلم کرانے والی جاہل

قوم بھی تو ملی ہے، جاہل مولوی عافیت مناتے ہیں کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ جاہل قوم دیدی، جس طرح ہم چلا دیں، اُسی طرح چل رہی ہے۔

یاد رکھیے کہ اگر کوئی ڈرائیور اناڑی ہو، اور پتہ بھی ہو کہ ڈرائیور اناڑی ہے، اور خطرناک راستے پر جا رہے ہوں، تو ظاہر ہے کہ ہر ایک یہی کہے گا کہ بھائی بڑا اناڑی ڈرائیور ہے، ہم نہیں بیٹھیں گے، بہت غلط گاڑی چلاتا ہے۔ لیکن دین کے معاملے میں عوام کو جاہل مولویوں کے پاس جانا اچھا لگتا ہے، اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ اب مسئلہ مولوی کے سر آ گیا، حالانکہ مولوی کے سر کہاں آ گیا۔

جیسے اگر ڈرائیور اناڑی ہے اور اس کی گاڑی میں بیٹھے تو اگر کہیں حادثہ ہوا تو ڈرائیور کے ساتھ ساتھ سواریاں بھی ڈوبیں گی، بلکہ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ڈرائیور تو دامن بچا کر نکل جاتے ہیں، اور سواریوں کو پھنسا دیتے ہیں۔

دراصل اس قسم کے لوگ شریعت پر عمل ہی نہیں کرنا چاہتے، اور ان کا فتویٰ لینا صرف بہانہ ہوتا ہے، اگر لوگوں کی لعن طعن کا خوف نہ ہوتا تو طلاق دینے والے فتویٰ لینے کی ضرورت ہی نہ سمجھتے، بلکہ طلاق اندر ہی اندر گول کر لیتے، لیکن جب لوگوں میں طلاق دینا اوپن ہو جاتا ہے تو لوگوں کی لعن طعن سے بچنے کے لیے لوگ فتوے لینے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں، تاکہ لوگوں کا منہ بند کر سکیں، اگر انہیں اللہ کا خوف ہوتا تو ان کے سامنے ایک مضبوط فتویٰ یہ بھی تو تھا کہ تین طلاقیں دینے کے بعد میاں بیوی کا اکٹھے رہنا ساری زندگی منہ کالا کرنا اور زنا کرتے رہنا ہے، بچے بھی حرامی پیدا ہوں گے، اس فتوے پر ان لوگوں کو ذرا بھی کھٹک نہیں ہوتی، اور بے دریغ تین طلاقیں دینے کے بعد میاں بیوی اکٹھے رہنے کو گوارا کر لیتے ہیں۔

ان لوگوں کو جو فتویٰ اپنے مزاج کے موافق ہوتا ہے، وہی اچھا لگتا ہے، چاہے وہ فتویٰ پیسے دے کر ہی لینا پڑے، یہ دو خاندانوں اور جاہل مولویوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔ یاد رکھیں تین طلاقیں دینے کے بعد آپس میں کمپرومائز (Compromise) کرنے والے مرد اور عورت کو خود بھی سکون کی زندگی میسر نہیں ہوتی، ساری زندگی بے چینی میں ہی گزرتی ہے، اور مسائل ہی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

اور بعض اوقات اللہ کی طرف سے بڑا وبال آ جاتا ہے، ابھی حال ہی میں ہمارے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدی تھیں، اس شخص نے فتویٰ لیا، اُسے فتویٰ دے دیا گیا کہ تین طلاقیں ہوگئی ہیں، اب بغیر شرعی حلالے کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، اُس شخص نے بڑی

کوشش کی کہ کہیں سے عورت حلال ہو جائے، مگر پھر بھی اس نے اپنی تسلی کے لیے کہیں سے فتویٰ لے لیا، اور اس کے بعد بیوی کو رکھ لیا، مگر اللہ کا کرنا کہ تقریباً ایک مہینے کے بعد اس کی بیوی بہت المناک طریقہ پر فوت ہو گئی، چھوٹے چھوٹے سے بچے، اب کہرام مچا ہوا تھا۔ اُس شخص کے والدین نے اُسے اس غلط فتویٰ لینے اور حرام کاری پر پہلے ہی گھر سے نکال دیا تھا، اب وہ شخص اکیلا بیٹھا گھٹنوں میں سر دے کر رو رہا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ بعض اوقات دنیا میں بھی دکھا دیتے ہیں، اور اس طرح کی چیزیں بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں کہ اس نے فلاں گناہ و حرکت کی ہے، لہٰذا اس کی عمر گھٹا دی گئی، اور جس غرض سے اس نے یہ عمل کیا تھا، وہ غرض بھی پوری نہیں ہوتی۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم　　نہ اِدھر کے رہے، نہ اُدھر کے رہے

نہ دنیا مل سکی، بیوی بھی گئی، اور آخرت بھی برباد ہوئی، عورت بھی منہ کالا کر کے گئی، اور مرد بھی گنہ گار ہوا؛ مرد وعورت دونوں ہی ڈوبے۔

تین طلاقیں دینے کے بعد بعض لوگ اشٹام فروشوں کا قصور نکالتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم نے تو اشٹام فروش کو طلاق لکھنے کو کہا تھا، اُس نے خود سے ہی اشٹام پر تین طلاقیں لکھ دیں، اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے اشٹام پر دستخط کرنے سے پہلے اشٹام پڑھا یا پڑھوایا تھا، یا نہیں۔ اگر نہ پڑھا اور نہ پڑھوایا تو پڑھنا یا پڑھوانا چاہیے تھا، اور پوچھنا چاہیے تھا کہ اس میں کیا لکھا ہے؟

اشٹام فروش کی کسی عدالت میں پکڑ نہیں ہوتی، ساری دنیا کی عدالتوں میں پکڑ اُس کی ہی ہوتی ہے، جس نے اشٹام پر دستخط کیے ہیں، کیونکہ اشٹام فروش تو طلاق دینے والے کی طرف سے اشٹام پر تحریر لکھ رہا ہے، لہٰذا اشٹام اس کی طرف سے شمار ہوگا، جس کے اشٹام پر دستخط ہیں، اور جس کے نام پر اشٹام جاری ہوا ہے، پس اشٹام میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، وہ سب دستخط کرنے اور اشٹام جاری کرانے والے کی طرف سے ہے۔

اشٹام پر دستخط کرنے والے نے اپنی آنکھیں کیوں بند کر لیں، اشٹام فروش کو پابند کیوں نہیں کیا، بھلا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نائی کے پاس بال کٹوانے گئے، اور اس نے کان بھی ساتھ کاٹ دیا۔

اگر نائی کان کاٹے گا تو حد سے تجاوز کرے گا، اور کان کاٹنے پر اُسے بال کاٹنے کے پیسے دینے کے بجائے اُس سے پیسے لے کر اُس کے پیسوں سے پٹی بھی کرواؤ گے، اور سزا بھی دو گے، تو یہی معاملہ اشٹام فروش کا بھی ہونا چاہیے کہ آپ نے کہا کہ ایک طلاق لکھ دو، اور اس نے تین طلاقیں لکھ دیں، تو ایسے اشٹام فروش

سے تو اشٹام کے پیسے بھی لینے چاہئیں کہ تو نے ہمارا ناس کر دیا، پیسے بھی ضائع کر دیے، ہم نے ایک طلاق لکھنے کو کہا تھا، تو نے تین لکھ دیں۔ تو اشٹام فروش کو پکڑنا چاہیے تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اشٹام فروش کا تھا ہی نہیں، یہ مسئلہ تو شرعی تھا، طلاق دینے والا کچہری میں تو پہنچ گیا، لیکن اپنے محلے کی مسجد تک میں مولوی صاحب سے مسئلہ پوچھنے نہیں گیا کہ طلاق دینے کے بارے میں اسلام نے کیا تعلیم دی ہے؟ طلاق دینے سے پہلے تحقیق کرنی چاہیے تھی، اور پوچھنا چاہیے تھا کہ طلاق دینی ہے، تو شریعت نے اس کا کیا طریقہ بتایا ہے، طلاق کس طرح دینی چاہیے؟

تیسری بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں اکثر اشٹام فروشوں کا ایک ہی نعرہ ہے کہ جب تک تین مرتبہ اشٹام نہ بھیج دیے جائیں، تین طلاقیں نہیں ہوتیں، اور اسی کے ساتھ ایک ہی اشٹام پر تینوں طلاقیں بھی لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان بیوقوفوں سے کوئی پوچھے کہ تم ایک اشٹام میں ہی سارا کام کر رہے ہو، ایک اشٹام پر ہی تینوں طلاقیں لکھ کر بھیج رہے ہو، تو تین اشٹاموں کی ضرورت کیا رہ گئی، اگر تین اشٹاموں میں طلاق بھیجنا چاہتے ہیں تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک اشٹام پر ایک ہی طلاق لکھیں۔

تو یہ ان لوگوں کی جہالت ہے، اب ایسی صورت میں طلاق لکھوانے والا اور طلاق لکھنے والا دونوں ہی مجرم ہیں، طلاق لکھوانے والا تو اس لیے مجرم ہے کہ اشٹام فروش کے پاس چلا گیا، اور اس کی بات میں آ گیا، اور شرعی مسئلہ پوچھنے کے لیے مستند اور ماہر مفتی کے پاس نہیں گیا، اور طلاق لکھنے والا اشٹام فروش اس لیے مجرم ہے کہ شریعت کے مسئلے میں غلط بات کہی۔ بہرحال لوگ ایسی صورتِ حال میں اشٹام فروش کو تو کچھ نہیں کہتے، سارا کچھ مولویوں کے سر پر نزلہ گراتے ہیں کہ جناب ہم نے تو ایک لکھوانے کو کہا تھا، اب اگر اشٹام فروش نے تین لکھ دیں، تو ہمارا کیا قصور ہے؟ اس میں گنجائش نکالیں۔

تو ہم کہتے ہیں کہ اتنی چڑھائی اگر پہلے سے ہی اشٹام فروش کے اوپر کر دیتے کہ پہلے مضمون ہمیں سناؤ، اس کے بعد پیسے ملیں گے، تو مسئلہ خراب نہ ہوتا، مگر اب کچھ نہیں ہوتا۔

شریعت کا مسئلہ جس پر جمہور صحابہ اور فقہاء کا اجماع واتفاق ہے، یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بیوی حرام ہو چکی، اب تم کسی مولوی کے پاس جاؤ یا نہ جاؤ، بیوی حرام ہی رہے گی، اور یہ بات اگر ابھی سمجھ نہیں آ رہی تو قبر میں جا کر اس کی سزا ملنے کے بعد سمجھ آ جائے گی، اور یہ دینی فتوے کے نام پر جو فتویٰ فروشی یا اپنا مسلک فروغی، اس کی سزا کا بھی پتہ چل جائے گا۔

عبرت کدہ ﴿اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَ بْصَارِ﴾ ابوجویریہ

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت یوسف علیہ السلام (قسط۳)

قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کا تفصیلی ذکر ہونے کی وجہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے قابلِ ذکر وسبق آموز وعبرت انگیز پہلوؤں کو خود قرآن مجید میں اچھی طرح اجاگر کیا گیا ہے، اوران کے حالات وواقعات اوران کی زندگی پر قرآن مجید کی پوری ایک سورت نازل فرمائی ہے، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ تفصیل سے کیا گیا ہے۔

اس طرح یہ خصوصیت صرف حضرت یوسف علیہ السلام کو ہی حاصل ہے، کہ جن کا ذکر قرآن مجید میں ایک ہی مقام پر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، ورنہ تمام انبیائے علیہم الصلاۃ والسلام کے قصص وواقعات پورے قرآن مجید میں خاص حکمت کے تحت اجزاء اجزاء کرکے لائے گئے ہیں، اور بار بار لائے گئے ہیں۔

اور یہ حقیقت ہے کہ تاریخِ عالم اور ماضی کے تجربات میں انسان کی آئندہ زندگی کے لئے بڑے سبق ہوتے ہیں، جن کی قدرتی تاثیر کا رنگ انسان کے دل ودماغ پر عام تعلیمات سے بہت زیادہ گہرا ہوتا ہے، اسی لئے قرآن مجید جو تمام اقوامِ عالم کے لئے آخری ہدایت نامہ کی حیثیت سے بھیجا گیا ہے، اس میں پوری اقوامِ عالم کی تاریخ کا وہ منتخب حصہ لیا گیا ہے، جو انسان کے حال اوراس کے مستقبل وانجام کی اصلاح کے لئے مفید ہے۔

مگر قرآن مجید نے تاریخِ عالم کے اس حصہ کو بھی اپنے مخصوص وبے مثال انداز میں اس طرح لیا ہے کہ اس کو پڑھنے والا یہ محسوس نہیں کرسکتا کہ یہ کوئی تاریخ کی کتاب ہے، بلکہ ہر مقام پر جس قصہ کا کوئی ٹکڑا عبرت وموعظت کے لئے کافی سمجھا گیا، صرف اتنا ہی حصہ وہاں بیان کیا گیا، اور پھر کسی دوسرے موقع پر اس حصہ کی ضرورت سمجھی گئی، تو پھر اسی حصہ کو دوبارہ ذکر کردیا گیا، اسی لئے ان قصوں کے بیان میں واقعاتی ترتیب کی رعایت نہیں کی گئی، بعض جگہ قصہ کا ابتدائی حصہ بعد میں، اور آخری حصہ پہلے ذکر کردیا گیا۔

اس خاص اسلوبِ قرآنی میں یہ مستقل ہدایت ہے کہ دنیا کی تاریخ اوراس کے گزشتہ واقعات کا پڑھنا، یاد

Idara Ghufran

رکھنا کوئی مقصد نہیں، بلکہ انسان کا مقصد ہر قصہ وخبر سے کسی عبرت ونصیحت کی تحصیل ہونا چاہئے۔
اس لئے بعض اہلِ تحقیق نے فرمایا کہ انسان کے کلام کی جو دوقسمیں خبر وانشاء مشہور ہیں، ان دونوں قسموں میں سے مقصودِ اصلی انشاء ہی ہے، خبر بحیثیتِ خبر کبھی مقصود نہیں ہوتی، بلکہ دانش مند انسان کا مقصد ہر خبر اور واقعہ کو سننے اور دیکھنے سے صرف اپنے حال اور عمل کی اصلاح ہونی چاہئے۔
حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تاریخ نگاری ایک مستقل فن ہے، اس میں اس فن والوں کے لئے خاص ہدایات ہیں، کہ بیان میں نہ تو اتنا اختصار ہونا چاہئے، جس سے بات ہی پوری نہ سمجھی جاسکے، اور نہ اتنا طول ہونا چاہئے کہ اس کا پڑھنا اور یاد رکھنا ہی مشکل ہوجائے، جیسا کہ قرآن مجید کے اس قصہ سے واضح ہوتا ہے۔
اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کا قرآن مجید میں ایک مقام پر تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ یہود نے آزمائش کے لئے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں، تو ہمیں بتلائیے کہ آلِ یعقوب ملکِ شام سے مصر کیوں منتقل ہوئے؟ اور یوسف علیہ السلام کا واقعہ کیا تھا؟

ان کے جواب میں بذریعہ وحی یہ پورا قصہ نازل کیا گیا، جو حضور ﷺ کا معجزہ اور آپ کی نبوت کا شاہد تھا، کہ آپ ﷺ امیِ محض تھے، اور عمر بھر مکہ میں مقیم رہے، کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی، اور نہ کوئی کتاب پڑھی، پھر وہ تمام واقعات جو تورات میں مذکور تھے، صحیح صحیح بتلا دیئے، بلکہ بعض وہ چیزیں بھی بتلا دیں جن کا تورات میں ذکر نہ تھا، اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام وہدایات بھی بیان فرمادیئے۔

(جاری ہے..........)

طب وصحت　　حکیم محمد فیضان

آنکھیں دُکھنا

آنکھیں دُکھنا (آشوبِ چشم) آنکھوں کی عام بیماری ہے، یہ بیماری سخت گرمی اور سخت سردی یا کسی موسم میں بھی ہوسکتی ہے، کبھی کبھی یہ وبا کی صورت میں بھی پھیلتی ہے۔

علامات:......اس مرض میں آنکھیں سرخ اور بھاری ہوجاتی ہیں، آنکھوں سے پتلی رطوبت نکلتی رہتی ہے، آنکھوں میں جلن اور کھٹک ہوتی ہے، اور درد کا احساس ہوتا ہے، آنکھیں تیز روشنی برداشت نہیں کرسکتی، اورسوج جاتی ہیں، سوکر اٹھنے کے بعد آنکھوں میں رطوبت چپکی ہوئی ہوتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ آنکھوں میں کنکریاں جیسے پڑگئی ہوں۔

اسباب:......سخت گرمی، سخت سردی، دھوپ، گردوغبار، باریک لکھا ہوا پڑھنا، زیادہ رونا، چمکدار چیزوں پرنظر جمانا، آنکھوں کی کمزوری، ہاضمہ کی خرابی، مضرصحت غذاؤں کا استعمال کرنا، زیادہ جاگنا، اورشدید سر درد کے علاوہ جدید تحقیقات کے مطابق جراثیم سے بھی یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔

علاج:......گھریلو علاج کے طور پر چند نسخہ جات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)......خالص عرقِ گلاب آنکھوں میں ڈالنا مفید ہے۔

(۲)......نمکین پانی آنکھوں میں ڈالیں، یا نیم گرم نمکین پانی میں صاف روئی بھگوکر آنکھوں پر رکھیں، ٹھنڈا ہونے پر دوبارہ رکھیں، بار بار یہ عمل دہرائیں، ان شاءاللہ فائدہ ہوگا۔

(۳)......پھٹکری چار رتی کو عرقِ گلاب دو تولے میں حل کر کے رکھیں، اور دن میں تین چار مرتبہ آنکھوں میں ٹپکائیں، عرقِ گلاب نہ ہوتو صاف میٹھا پانی استعمال کریں۔

(۴)......انار یا کیکر کے ملائم پتے پانی میں پیس کر ٹکیہ بنا کر رات کو آنکھوں پر باندھیں، کھٹک اور جلن کے لئے مفید ہے۔

(۵)......چائے کی پتی کو پانی میں ابال کر ٹکیہ بنا کر آنکھوں پر نیم گرم باندھنے سے درد، کھٹک اور سرخی میں کمی ہوجاتی ہے۔

(۶)......کھانڈ ایک تولہ کو چار تولہ پانی میں گھول کر اس میں صاف روئی بھگوکر آنکھ پر رکھیں،

Idara Ghufran

آنکھ کی کھٹک اور درد کو دور کرنے میں مفید ہے۔

احتیاطی تدابیر:......گرد و غبار، تیز روشنی، دھوپ سے آنکھوں کو بچائیں، لیٹ کر نہ پڑھیں، ہاضمہ کی خرابی کا خاص خیال رکھیں، قبض نہ ہونے دیں۔

وبا کے دنوں میں سیاہ چشمہ استعمال کریں۔

ایک دوسرے کا تولیہ اور رومال استعمال نہ کریں۔

سوائے شدید ضرورت کے آنکھوں کو ہاتھ نہ لگائیں۔

ٹھنڈے پانی سے دن میں تین چار مرتبہ آنکھوں کو اچھی طرح دھوئیں، اور پانی کے چھپکے ماریں

مشترکہ سرمہ کی سلائی استعمال نہ کریں، بلکہ اپنی سرمہ کی سلائی کو بھی دھو کر آنکھوں میں استعمال کریں۔

نوٹ: زیادہ تکلیف ہو، تو آنکھوں کے معالج سے رجوع کریں۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۹۴ ''اخبارِ ادارہ''﴾

- ......۲۱/ رمضان، بدھ مسجد امیر معاویہ میں بندہ امجد نے حسبِ سابق بعد ظہر معتکفین حضرات کے لئے شرعی مسائل کی مجلس شروع کی۔

- ...... ۲۶/ رمضان ،سوموار، بعد ظہر حضرت مفتی ابولبابہ صاحب دامت برکاتہم (دارالافتاء: جامعۃ الرشید، کراچی) دارالافتاء میں تشریف لائے، بعض علمی امور پر بات چیت ہوئی، مفتی مقبول الرحمٰن صاحب (جامع مسجد امین حنفیہ، ڈھوک حافظ) بھی ہمراہ تھے، مختصر ملاقات ومجالست کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے۔

- ......۲۷/ رمضان، منگل ادارہ غفران میں عید کی تعطیلات کا اعلان ہوا، ۲۸/ رمضان بدھ سے دس روزہ تعطیلات رہیں گی، بمطابق ۸/ستمبر تا ۱۷ستمبر، ہفتہ ۱۸/ستمبر سے نئے تعلیمی سال کے لئے داخلے شروع ہونگے، جو ایک ہفتہ جاری رہیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

- ......یکم/ شوال، عید الفطر، ہفتہ، متعلقہ مساجد میں عید الفطر کی نماز کے اجتماعات منعقد ہوئے، مسجد امیر معاویہ میں حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم نے ساڑھے آٹھ بجے عید الفطر کی نماز پڑھائی، مسجد بلال (صادق آباد) میں مفتی محمد یونس صاحب نے آٹھ بجے، مسجد غفران میں بندہ امجد نے ساڑھے سات بجے عید الفطر کی نماز پڑھائی۔

- ......عید الفطر کے دن مفتی محمد یونس صاحب زید مجدہٗ اور بندہ امجد نے ظہر کی نماز کوہسار مسجد، اسلام آباد میں پڑھی، اور بڑے حضرت جی حضرت اقدس نواب صاحب دامت برکاتہم کی زیارت وملاقات کی سعادت حاصل کی۔

اخبارِ ادارہ مولانا محمد امجد حسین

ادارہ کے شب وروز

□...... جمعہ ۹/ ۱۶/ ۲۳/ رمضان متعلقہ مساجد میں وعظ ومسائل کی نشستیں منعقد ہوئیں۔

□......۲۹/ شعبان بدھ، بعد مغرب رمضان کے چاند کا اعلان ہوتے ہی تراویح کی تیاریاں شروع ہوگئیں، مسجد امیر معاویہ میں حسبِ معمول حضرت جی مدیر صاحب دامت برکاتہم نے تراویح میں قرآن مجید سنایا، مسجد نسیم میں مولوی محمد ناصر صاحب، مسجدِ غفران میں حافظ محمد فرحان صاحب، ادارہ کے مختلف حصوں میں مولوی طارق محمود صاحب، قاری محمد طاہر صاحب، قاری حبیب اللہ صاحب، ڈاکٹر حافظ عمار صاحب، بندہ امجد، حمزہ رفیق (طالب علم) محمد عثمان (طالب علم) قرآن مجید سنا رہے تھے۔

□......رمضان اٹھارہویں شب میں مولوی طارق محمود صاحب، انیسویں شب میں قاری حبیب اللہ صاحب نے قرآن مجید کی تکمیل کی، بیسویں شب میں حضرت جی مدیر صاحب دامت برکاتہم نے تکمیل فرمائی، مختصر جلسہ ہوا، مفتی محمد یونس صاحب، اور بندہ محمد امجد کے مختصر بیانات ہوئے، اکیسویں شب میں قاری محمد طاہر صاحب، حمزہ رفیق، ڈاکٹر حافظ عمار صاحب، بندہ امجد کی تراویح میں تکمیلِ قرآن ہوئی، تیئسویں شب میں مسجدِ غفران میں حافظ محمد فرحان صاحب نے تکمیل فرمائی، اس موقع پر مختصر جلسہ ہوا، حضرت جی مدیر صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہوا، چوبیسویں شب مسجد نسیم میں مولوی محمد ناصر صاحب کی تکمیل ہوئی، بندہ امجد کا بیان ہوا، بعد میں ناصر صاحب کے گھر مختصر ضیافت ہوئی، جس میں حضرت مدیر صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے اور بندہ امجد بھی شریک ہوا، پچیسویں شب میں مفتی محمد یونس صاحب کے ہاں مسجد بلال صادق آباد میں تکمیلِ قرآن ہوئی، اسی شب بندہ امجد نے مسجد ممتاز ابراہیم، آریہ محلّہ میں تکمیلِ قرآن کے جلسہ میں بیان کیا، چھبیسویں شب حضرت مدیر صاحب نے مولانا الیاس کوہاٹی صاحب کی دعوت پر ان کی مسجد (الٰہ آباد) میں تکمیلِ قرآن کی تقریب سے خطاب فرمایا، ستائیسویں شب میں مسجد انوارِ مدینہ (سلطان پورہ) میں تکمیلِ قرآن کے موقع پر بندہ امجد نے بیان کیا۔

□......۲۰/ رمضان، منگل مسجدِ غفران میں مولوی طارق محمود صاحب، مولوی عبدالوہاب صاحب اور حافظ محمد بلال قریشی اعتکاف میں بیٹھے۔

﴿بقیہ صفحہ ۹۳ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اخبارِ عالم

حافظ غلام بلال

دنیا میں وجود پذیر ہونے والے اہم ومفید حالات وواقعات، حادثات وتغیرات

❁ **18 / اگست 2010ء بمطابق 7 رمضان 1431ھ**: پاکستان: سکھر بیراج پر غیر معمولی سیلاب، بلوچستان سندھ کے مزید سینکڑوں دیہات ڈوب گئے ❁ **19 / اگست**: پاکستان: قومی شاہراہ زیر آب، بین الصوبائی ٹریفک معطل ❁ **20 / اگست**: پاکستان: کراچی اے این پی کا رہنما ساتھی سمیت قتل، ہنگامے، فائرنگ، مزید 10 ہلاک، 14 گاڑیاں نذرِ آتش ❁ **21 / اگست**: پاکستان: پاکستان: سندھ بلوچستان میں مزید 600 دیہات غرق 30 افراد جاں بحق، سیلابی ریلے کا رخ منچھر جھیل کی جانب ❁ **22 / اگست**: پاکستان: اچانک بند توڑنے سے راجن پور کے 100 دیہات غرق، سندھ میں مزید تباہی ❁ **23 / اگست**: پاکستان: حفاظتی بند ٹوٹ گئے، شہداد کوٹ، ٹھٹھہ اور جامشورو زیر آب ❁ **24 / اگست**: پاکستان: مسافر بس رود کوہی ریلے میں بہ گئی، 17 جاں بحق ❁ جنوبی وزیرستان کرم ایجنسی خودکش وبم حملوں میں مولانا نور محمد سمیت 33 افراد جاں بحق، میرانشاہ کے قریب ڈرون حملے میں 20 افراد مارے گئے ❁ **25 / اگست**: پاکستان: کوٹری بیراج فوج کے حوالے، حیدرآباد تین اطراف سے سیلاب کی زد میں، قمبو سعید خان میں ریلہ داخل ❁ **26 / اگست**: پاکستان: گڑھی خدا بخش کو خطرہ، بھٹو خاندان کے مزار کے اطراف میں حفاظتی بند کی تعمیر ❁ **27 / اگست**: پاکستان: بھارت نے دریائے ستلج میں مزید پانی چھوڑ دیا، پاکپتن اور بہاولنگر کو خطرہ ❁ **28 / اگست**: پاکستان: بھارتی سیلابی ریلے کی تباہ کاریاں، شکرگڑھ اور قصور کے درجنوں دیہات ملیامیٹ ❁ **29 / اگست**: پاکستان: قصور: درجنوں سکول اور مکانات بھارتی ریلے میں بہ گئے ❁ پشاور: حساس ادارے کی عمارت میں عسکریت پسندوں اور فورسز کے درمیان 10 گھنٹے جھڑپ، کمانڈو ایکشن کامیاب ❁ **30 / اگست**: پاکستان: سیلابی ریلا میہڑ میں داخل، 50 دیہات زیر آب ❁ **31 / اگست**: پاکستان: فوج نے ٹھٹھہ کو بچالیا، سجاول شہر مکمل طور پر ڈوب گیا، قومی شاہراہ بھی زیر آب ❁ اعلیٰ عدلیہ کے 32 ایڈیشنل ججز کی مدت میں توسیع، ایک دو روز میں پارلیمانی کمیٹی تشکیل دے دی جائے گی، حکومت ❁ **یکم / ستمبر**: پاکستان: اندرون سندھ، مزید کئی گاؤں سیلابی ریلے میں بہ گئے ❁ پیٹرول 48 پیسے سستا، ڈیزل ایک روپیہ 57 پیسے فی لیٹر مہنگا ❁ **2 / ستمبر**: پاکستان: لاہور جلوس میں 3 خودکش دھماکے، 30 جاں بحق ❁ **3 / ستمبر**: پاکستان: گھی 4 ایل پی جی گیس 6 روپے فی کلو مہنگی، چینی 85 روپے فی کلو فروخت ❁ **4 / ستمبر**: پاکستان: کوئٹہ: ریلی پر خودکش حملہ 60 جاں بحق، 100 سے زائد زخمی ❁ **5 / ستمبر**: پاکستان: متاثرین کی بحالی، مشترکہ مفادات کونسل کا اجلاس کل طلب ❁ **6 / ستمبر**: پاکستان: لکی مروت تھانے پر خودکش حملہ 19 جاں بحق ❁ **7 / ستمبر**: پاکستان: کوہاٹ، پولیس لائن میں دھماکا، 21 جاں بحق